شہنشاہ ہندوستان

جلال الدین اکبر

اسلم راہی
ایم اے

شہنشاہ ہندوستان

جلال الدین اکبر

اسلم راہی ایم اے

شمع بک ایجنسی کراچی
نوید اسکوائر نیو اردو بازار
Ph:2773302

نام کتاب ـــــــــ جلال الدین اکبر
مصنف ـــــــــ اسلم راہی ایم اے
پرنٹر ـــــــــ واحد پرنٹر کراچی
قیمت ـــــــــ 30/- روپے

اسٹاکسٹ

صابری دار الکتب	اردو بازار لاہور
عوامی کتاب گھر	اردو بازار لاہور
فہیم بک ڈپو	اردو بازار لاہور
اشرف بک ایجنسی	اقبال روڈ راولپنڈی
شمع بکسٹال	ریگل روڈ فیصل آباد
کتب خانہ مقبول عام	جھنگ بازار فیصل آباد
	اردو بازار کراچی
رشید نیوز ایجنسی	فریئر مارکیٹ کراچی
الحبیب نیوز ایجنسی	اسٹیشن روڈ حیدر آباد

عرضِ ناشر

ادارہ شمع بک ایجنسی کی عرصہ دراز سے یہ کوشش تھی کہ تاریخ پر چھوٹی چھوٹی اور مختصر کتابیں شائع کی جائیں۔ جن سے بچے بوڑھے اور جوان سب ہی استفادہ حاصل کرسکیں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ تاریخ پر قلم کس سے اٹھانے کو کہا جائے کیونکہ ہمارے ہاں تاریخ کے نام پر کچھ ایسی کتب ملتی ہیں۔ جن میں سرے سے تاریخ نام کی کوئی چیز نہیں بس قصے کہانیاں یا رومانس بھر دیا گیا ہے۔

ادارہ کی نظر مشہور و معروف تاریخ داں اسلم راہی صاحب پر پڑی اور ہم نے ان سے رابطہ کیا اور مشہور و معروف مسلمان و غیر مسلم تاریخی شخصیات پر قلم اٹھانے کو کہا۔ وہ جلد ہی راضی ہو گئے۔ اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ ہم نے قوم کو تاریخ کا اصل چہرہ دکھایا ہے۔ اور تاریخ کو تاریخ ہی پیش کیا ہے۔ نا کہ من گھڑت قصے کہانیاں۔

ہمارے ادارے نے تقریباً 100 کے قریب تاریخی شخصیات پر کتب شائع کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ ان میں مشہور و معروف جلیل القدر سپہ سالار، بادشاہ، جرنیل، فاتح وغیرہ شامل ہیں اور ایسی غیر مسلم شخصیات کو بھی لیا گیا ہے۔ جن کے بغیر تاریخ نامکمل ہے۔ ان میں کچھ شخصیات ایسی بھی ہیں جنہیں پہلی بار کتابی صورت میں شائع کرنے کا اعزاز ہمارے ادارے کو حاصل ہو رہا ہے۔ مشہور و معروف شخصیات مثلاً صلاح الدین ایوبی،

حیدر علی، ٹیپو سلطان، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، نور الدین زنگی، محمود غزنوی، موسیٰ بن نصیر، الپ ارسلان، ملک شاہ سلجوقی، عماد الدین زنگی، خیر الدین باربروسا وغیرہ اس کے علاوہ چنگیز خان، ہلاکو خان، ہیلن آف ٹرائے، نپولین بوناپارٹ، سکندر اعظم، ہٹلر وغیرہ جیسی شخصیات کو بھی شامل کیا ہے۔ ہماری اس تاریخی سلسلے کی فہرست کافی طویل ہے۔

ہمارے ادارے نے وطن عزیز کے طالبعلموں کو تاریخ کی طرف لانے کی جو کوشش کی ہے اس میں ہمیں آپ کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اور ساتھ ہی ہم حکومت پاکستان سے بھی یہ گزارش کریں گے کہ وہ اس تاریخی سلسلے کو اسکولوں اور کالجوں کی سطح پر **سلیبس** کے طور پر شامل کرے۔

اسلم راہی صاحب کے خیالات سے آپ اختلاف تو کر سکتے ہیں مگر انکار نہیں۔ اختلاف کرنا ہر آدمی کا حق ہے اور ضروری نہیں کہ ہمارا ادارہ بھی مصنف کے تمام خیالات سے متفق ہو۔

مگر مصنف نے جس طرح تاریخ کو کھنگال کر مختصر صفحات میں پیش کیا ہے۔ اس کے لیے یہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ہم تاریخ سے منہ نہیں موڑ سکتے ہمیں تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ خدا کرے کہ ہم میں پھر صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، حیدر علی، ٹیپو سلطان اور نور الدین زنگی جیسی شخصیات جنم لیں۔ جو قومیں تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتیں، جو قومیں تاریخ کو پیچھے چھوڑ دیتی ہیں، جو قومیں تاریخ کو گزرا ہوا کل کہہ کر رد کر دیتی ہیں۔ وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کرتیں۔ تباہی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ آیئے ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خالد علی

اس کا پورا نام جلال الدین محمد اکبر تھا۔ تاریخ کے اوراق میں مغل اعظم اور اکبر اعظم کے ناموں سے بھی مشہور ہوا۔ وہ ہندوستان میں مغل سلطنت کے بانی شہنشاہ ظہیر الدین بابر کا پوتا اور نصیر الدین ہمایوں کا بیٹا تھا۔ اکبر 23 نومبر 1542ء کو اس وقت پیدا ہوا جبکہ اس کا باپ شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد ہندوستان کے تاج و تخت سے محروم ہو چکا تھا اور اپنے مختصر سے لشکر اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ادھر ادھر سرگرداں ہونے پر مجبور ہوا تھا۔

اکبر کی پیدائش صوبہ سندھ کے مشہور قصبے عمر کوٹ میں ہوئی۔ وہ چاند کی چودھویں رات کو پیدا ہوا۔ اسی چاند کی چودھویں رات کی نسبت سے ہمایوں نے اپنے بیٹے کا نام پہلے بدر الدین رکھا تھا، بعد میں یہی بدر الدین تاریخ کے اوراق میں جلال الدین محمد اکبر کے نام سے سامنے آیا۔

نصیر الدین ہمایوں کے حالات اس وقت ایسے ناسازگار تھے کہ اپنے بیٹے اکبر کی پیدائش کے بعد اس کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ بیٹے کی پیدائش کی خوشی

کے اظہار پر لوگوں کو انعام میں دیتا۔ لہٰذا اس نے بیٹے کی پیدائش کی خوشی پر لوگوں میں صرف خوشبو بانٹ کر اپنی خوشی کا اظہار کر دیا تھا۔

اکبر جب ایک سال کا ہوا تو ہمایوں اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر سندھ سے نکلا اور قندھار کا رخ کیا۔ قندھار میں اس وقت اس کا چھوٹا بھائی بھی کامران مرزا حاکم تھا لیکن قندھار کا نظم و نسق دوسرے بھائی عسکری کے ہاتھ میں تھا۔

: جو کامران مرزا اور عسکری کو خبر ہوئی کہ شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ان کا بھائی ہمایوں ان کی طرف آ رہا ہے تو انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں ہمایوں ان پر حملہ آور ہو کر ان سے قندھار شہر ہی نہ چھین لے۔ لہٰذا ان دونوں غیر ذمہ دار بھائیوں نے ہمایوں سے اپنے بھائی کے رشتہ کو سامنے نہ رکھا اور اس پر حملہ کر دیا۔

اس حملے کی وجہ سے ہمایوں اور اس کے لشکری افراتفری کا شکار ہوئے اور ہمایوں اپنی بیوی حمیدہ بانو اور بچے کھچے جانثار ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس بھاگ دوڑ میں ہمایوں کا بیٹا اکبر ہمایوں سے بچھڑ کر ہمایوں کے بھائی عسکری کے ہاتھ لگ گیا۔ عسکری نے اپنے بھتیجے اکبر سے تو کوئی انتقام نہ لیا بلکہ اسے اپنی بیوی کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس کی پرورش کرے۔ اس طرح اکبر کی پرورش اپنے باپ کی بجائے اپنے چچا کے گھر ہونے لگی تھی۔

ہندوستان سے نکلنے اور اپنے بھائیوں کے ناروا سلوک سے تنگ آ کر نصیر الدین ہمایوں نے ایران کا رخ کیا۔ دو سال تک وہ ایران میں رہا یہاں تک کہ ایران کا بادشاہ طہماسپ اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوا۔

اس دوران اکبر کی پرورش اس کی پھوپی اور ہمایوں کی بہن خانزادہ نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔

آخر ایران کی مدد سے ہمایوں نے کابل اور قندھار کو فتح کرلیا اور ان علاقوں میں اپنے قدم جمانے شروع کردیئے۔ اکبر جب اپنے باپ ہمایوں سے بچھڑا تو اس وقت اس کی عمر ایک سال تھی لیکن جب ہمایوں فاتح کی حیثیت سے کابل میں داخل ہوا اور اپنے بیٹے اکبر سے ملا تو اس وقت اکبر تین سال کا ہو چکا تھا۔

شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد ہمایوں تو ایران چلا گیا۔ اس کی غیر موجودگی میں ہندوستان پر شیر شاہ سوری حکومت کرتا رہا لیکن جب ہمایوں نے ایران سے نکل کر کابل پر قبضہ کرلیا اس وقت تک شیر شاہ سوری فوت ہو چکا تھا۔ شیر شاہ سوری کے بعد ہندوستان میں اس کا بیٹا اسلام شاہ حکمران بنا تھا۔ اسلام شاہ کی وفات کے بعد اس کا نوعمر بیٹا فیروز خان بارہ سال کی عمر میں حکمران ہوا لیکن اسے اس کے ماموں عادل شاہ نے قتل کر کے خود تخت و تاج حاصل کرلیا تھا۔

عادل شاہ نے تخت نشین ہونے کے بعد یہ محسوس کیا کہ بہت سے امراء اور سالار اس لئے اس کے خلاف ہو گئے ہیں کہ اس نے اپنے بھانجے فیروز خان کو قتل کر کے تخت و تاج حاصل کرلیا ہے۔ لہٰذا عادل شاہ نے ان سالاروں کو اپنی مٹھی میں لینے کی غرض سے ان میں بھاری رقوم تقسیم کرنا شروع کردی تھیں اور انہیں مختلف خطابات سے نوازا تاکہ بغاوت کے آثار پیدا نہ ہوں۔

عادل شاہ کی دوستی زیادہ تر ایسے لوگوں کے ساتھ تھی جو عیش و عشرت اور غلط چال چلن کے لوگ تھے اس کا زیادہ وقت بھی انہی لوگوں کے ساتھ گزرتا تھا۔ اس لئے شیر شاہ سوری کے ساتھ جو زیادہ تر افغان تھے وہ عادل شاہ کے مزید خلاف ہو گئے۔

گو شیر شاہ سوری نے افغانوں کو یکجا کر کے ہمایوں کو ہندوستان سے نکال باہر کیا تھا۔ لیکن اب افغانوں میں بھی اتحاد نہ رہا تھا اور انتشار کا شکار ہو چکے تھے۔ عادل شاہ ایک معمولی پڑھا لکھا شخص تھا۔ لہٰذا وہ افغانوں کو باہم رکھنے کی صلاحیتوں سے محروم تھا۔

اس کے علاوہ وہ ایک تن آسان شخص ہونے کے باعث زیادہ تر وقت آرام اور عیش و عشرت میں گزارتا اور امور مملکت اپنے ملازموں پر چھوڑ دیتا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے اپنے کمسن بھانجے فیروز کو قتل کر کے ظالمانہ اور گھٹیا اقدام کیا تھا۔ جس کی بناء پر سارا خزانہ لٹا دینے کے باوجود بھی عوام اور افغان امراء اس سے محبت نہ کر سکتے تھے۔

اس موقع پر عادل شاہ نے ایک اور غلطی کی۔ اپنے امیروں میں سے جسے وہ دیکھتا کہ وہ اس کے خلاف ہو گیا ہے تو وہ دوسرے امیر کی جاگیر اسے دے دیتا۔ اس طرح اس کے مخالفین میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

یہاں تک کہ بنگال میں ایک شخص تاج خاں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ بیانہ شہر میں ایک شخص ابراہیم سوری نے بغاوت کھڑی کر کے چنار شہر پر اپنی حکومت قائم کر لی۔

ابراہیم خان سوری عادل شاہ سوری کا رشتہ دار بھی تھا وہ دہلی پر بھی قابض ہو گیا اور چند ہی دنوں میں اس نے آگرہ فتح کر کے اس پر بھی قبضہ کر لیا اور اپنے نام کے سکے جاری کر دیئے۔

ابراہیم کو بہت سے افغان سالاروں کی ہمدردیاں بھی حاصل ہو گئی تھیں جبکہ دوسری طرف عادل شاہ کی حکومت متزلزل ہونے لگی تھی۔ اس کے لشکری بھی کمزور پڑ چکے تھے۔ رفتہ رفتہ عادل شاہ کی عسکری قوت اسقدر کمزور ہو گئی کہ وہ ابراہیم سے آگرہ اور دلی واپس نہ لے سکا۔

اب عادل شاہ کے پاس بڑے شہروں میں سے صرف گوالیار ہی رہ گیا تھا جبکہ پنجاب کے وسیع علاقوں پر اس کا بہنوئی احمد خان سوری قابض ہو چکا تھا۔ اس طرح عادل شاہ شیر شاہ سوری کی وسیع مملکت کو سنبھال نہ سکا اور یہ مملکت مختلف حکمرانوں میں تقسیم ہونے لگی تھی۔

اسی دوران ایک اور حادثہ پیش آیا عادل شاہ کچھ بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے گوالیار سے باہر تھا کہ اس کا بہنوئی احمد خان پنجاب سے نکل کر گوالیار کی طرف آیا جب عادل شاہ کو اس کے گوالیار آنے کی خبر ہوئی تب اس نے یہ سوچا کہ شاید اس کا بہنوئی احمد خان سوری پنجاب کے علاوہ گوالیار پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا وہ مڑا اور بڑی تیزی سے گوالیار کی طرف بڑھا۔ اس نے ارادہ کیا تھا کہ گوالیار پہنچتے ہی احمد خان کو موت کے گھاٹ اتار دے گا یا اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر اسے بینائی سے محروم کر دے گا۔ دوسری طرف احمد خان سوری کی بدقسمتی کہ جب وہ پنجاب سے گوالیار کی طرف گیا تو اس کی غیر موجودگی میں اس

کے بہت سے علاقوں پر آگرہ اور دہلی کے حکمران ابراہیم سوری نے قبضہ کرلیا۔

احمد خان سوری کو جب خبر ہوئی کہ عادل شاہ سوری اس پر حملہ آور ہونے کے لئے آرہا ہے تب وہ گوالیار سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس وقت اس کے ساتھ چار ہزار سواروں پر مشتمل ایک لشکر تھا اور ان چار ہزار سواروں کے ساتھ اس نے دہلی کا رخ کیا اور دہلی کے حکمران ابراہیم سوری سے مطالبہ کیا کہ وہ پنجاب کی حکومت اس کے حوالے کردے۔

ابراہیم سوری نے جب ایسا کرنے سے انکار کردیا تب احمد خان سوری اور ابراہیم خان سوری کے درمیان جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ 1555ء میں آگرہ کے شمال مغرب میں تقریباً 18 میل کے فاصلے پر احمد خان سوری اور ابراہیم سوری کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں احمد خان سوری نے ابراہیم سوری کو شکست دی۔ شکست اٹھا کر ابراہیم سوری ''سانبھل'' کے علاقے کی طرف بھاگ گیا۔ ابراہیم خان سوری کے لشکر کے بہت سے حصے احمد خان سوری کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح احمد خان سوری نے دہلی اور آگرے پر قبضہ کرلیا اور دہلی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد احمد خان سے اپنا نام تبدیل کر کے اس نے سکندر شاہ کے نام سے حکومت کرنی شروع کردی اور اپنے نام کے سکے جاری کروادیئے۔ مسجدوں میں اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کے احکامات جاری کرادیئے۔

یہ حالات اس وقت پیش آرہے تھے جب ہمایوں ایران سے نکل کر کابل پر قابض ہوچکا تھا اور کابل پر اس کی حکومت تھی اب ہندوستان میں صورتِ حال،

یہ تھی کہ گوالیار مشرق میں جون پور کے علاقوں پر عادل شاہ حکومت کر رہا تھا۔ دہلی کے علاوہ پنجاب میں رہتاس تک کے علاقوں پر سکندر شاہ سوری کی حکومت تھی۔ جبکہ ہمالیہ کی ڈھلانوں سے لے کر پنجاب کے ضلع گجرات تک ابراہیم شاہ سوری حکومت کر رہا تھا۔

ہندوستان کے ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہمایوں نے پھر ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ کابل سے نکلا اور پشاور کی طرف پیش قدمی کی۔ اس کے ساتھ اس کا بہترین سالار بیرم خان بھی تھا۔ دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد ہمایوں اور بیرم خان اپنے لشکر کے ساتھ پنجاب کے شہر ''گکھڑ'' پہنچے اس کے بعد ہمایوں نے لاہور کی طرف پیش قدمی کی۔ دہلی کا حکمران سکندر شاہ سوری ابھی تک اپنے لشکر کے ساتھ ہمایوں کی راہ روکنے نہیں نکلا تھا۔ لہٰذا ہمایوں نے لاہور پر بھی قبضہ کر لیا اور آگے بڑھ کر وہ جالندھر، سرہند اور حصار کے علاقوں پر بھی بغیر کسی مزاحمت کے قابض ہو گیا تھا۔

ہمایوں سرہند کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا کہ سکندر شاہ سوری نے اس کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ لہٰذا 30 ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ اس نے ہمایوں کا رخ کیا۔ جب سکندر شاہ کا لشکر سرہند پہنچا تب پتہ چلا کہ ہمایوں کے لشکری جالندھر میں جمع ہو رہے تھے لہٰذا اس نے بھی جالندھر کا رخ کیا۔ سکندر شاہ نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ ہمایوں اور اس کے لشکریوں کو دریائے ستلج عبور نہ کرنے دیا جائے اور دریائے ستلج کے اس پار ہی ان پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ لیکن ہمایوں نے بڑی برق رفتاری سے پیش قدمی کی تھی اور سکندر

شاہ کے لشکر کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ دریائے ستلج کو عبور کر گیا تھا۔

دریائے ستلج کے قریب ہمایوں اور سکندر شاہ کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی ہمایوں کے لشکریوں نے سکندر شاہ کے لشکر پر اس قدر جلتے پروں کے تیر پھینکے کہ سکندر شاہ کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس طرح دریائے ستلج کے کنارے ہمایوں کے لشکر کو فتح نصیب ہوئی۔

اس فتح کے بعد ہمایوں کا سالار بیرم خان سرہند شہر کی طرف بڑھا اور وہاں کی فصیل اور قلعے کو اس نے مضبوط اور مستحکم کرنا شروع کر دیا تھا۔

جس وقت دریائے ستلج کے کنارے ہمایوں اور سکندر شاہ کے لشکریوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی اس وقت ہمایوں لاہور میں مقیم تھا اسے جب اس فتح کی خبر دی گئی تو اس نے فتح کا جشن منانے کا حکم دیا۔

ہمایوں نے اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کا رخ کیا سکندر ایک بار پھر لگ بھگ 80 ہزار کا لشکر لے کر ہمایوں کے سامنے آیا کچھ مورخین کہتے ہیں کہ اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی لیکن ہمایوں نے پھر اسے شکست دی اور سکندر شاہ شکست اٹھا کر ہمالیہ کی نواحی پہاڑیوں کی طرف چلا گیا۔

اس فتح کے بعد جب ہمایوں شہنشاہ کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا تو اس کے سالاروں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ہر کوئی یہی سمجھنے لگا کہ اس فتح کا سہرا اس کے سر پر ہونا چاہیئے۔ ہر کوئی یہ خیال کرنے لگا کہ سکندر شاہ کو شکست دینے کے سلسلے میں اسے اعلیٰ خطابات انعامات اور اکرامات سے نوازا جائے گا۔ ہمایوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس نے ان سارے خطابات سے

اپنے بیٹے اکبر کو نوازا جس کی عمر اس وقت صرف 13 سال تھی۔ اور اس نے ان جنگوں میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ بھی کیا تھا۔ ہمایوں کے اس اقدام سے کچھ سالار اس کے مخالف بھی ہو گئے اور بغاوت پر اتر آئے۔

ہمایوں نے اپنے مختلف سالاروں کو بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے روانہ کیا خود وہ دہلی ہی میں رہا لیکن بد قسمتی سے اسے دہلی فتح کرنے کے بعد زیادہ عرصہ وہاں رہنا نصیب نہ ہوا۔ 24 جنوری 1556ء کو وہ دوسری منزل پر اپنے کتب خانہ کی سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ مغرب کی اذان سنائی دی۔ اذان سن کر اذان کے احترام میں وہ سیڑھی پر ہی بیٹھ گیا اذان جب ختم ہوئی تو نیچے اترنے لگا۔ کہتے ہیں اس وقت اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اچانک چھڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی اپنا ہی لباس اس کے پاؤں میں پھنس گیا۔ جس سے وہ سیڑھیوں سے نیچے گر پڑا۔ اس طرح 26 جنوری کو ہمایوں نے وفات پائی۔

اپنی وفات سے چند دن پہلے اپنے سالار بیرم خان اور اپنے بیٹے اکبر کو ہمایوں نے سکندر شاہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا تھا جو ہمالیہ کے ڈھلانوں سے نکل کر پنجاب میں داخل ہو چکے تھے۔ بیرم خان اور اکبر نے اُس وقت کلانور کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا ہوا تھا کہ انہیں ہمایوں کے مرنے کی اطلاع ملی۔ بیرم خان چونکہ اکبر کا اتالیق بھی تھا لہذا اس نے کلانور ہی میں اکبر کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ بیرم خان اکبر کا اتالیق تو پہلے ہی تھا اب اکبر نے تمام مالی اور ملکی مہمات بھی بیرم خان کے سپرد کر دی تھیں۔ ہمایوں کے مرنے کے بعد جس وقت بیرم خان اور اکبر دونوں کلانور کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ

قیام کئے ہوئے تھے تو ان کی غیر موجودگی میں سب سے پہلے گوالیار کے حکمران عادل شاہ سوری نے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا۔

عادل شاہ سوری نے چونکہ اپنے بھانجے کو قتل کرنے کے بعد حکومت حاصل کی تھی اس کی اس حرکت ہی کی وجہ سے افغان سالار اسے اچھا نہ سمجھتے تھے ساتھ ہی عادل شاہ سوری بھی افغان سالاروں پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے ایک ہندو ہیمو بقال کو اپنا وزیر مقرر کر لیا تھا۔

یہ ہیمو بقال ریواڑی کا رہنے والا تھا۔ عادل شاہ سوری نے ہیمو بقال کو ایک بہت بڑا لشکر دیا اور اسے دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ دوسری طرف ہیمو بقال عادل شاہ سوری کا بھی وفادار نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ مغلوں کے علاوہ عادل شاہ سوری کا بھی خاتمہ کر کے وہ اپنی ایک خودمختار حکومت قائم کر سکے اور برصغیر میں ایک بار پھر وہ ہندو حکومت کی بنیاد ڈالنے کے درپے تھا۔

کلانور کے مقام پر اکبر اور بیرم خان کی عجیب حالت تھی۔ ان کے ایک طرف پنجاب میں سکندر شاہ سوری تھا دوسری طرف ہیمو بقال دہلی پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا تھا۔ اگر وہ ہیمو بقال کا رخ کرتے تو پشت کی طرف سے سکندر شاہ سوری حملہ آور ہو کر ان کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا سکتا تھا۔ اگر وہ سکندر شاہ سوری کی طرف بڑھتے تو اتنی دیر تک ہیمو بقال دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد انہیں ہندوستان کے تاج و تخت سے محروم کر سکتا تھا۔

ان حالات میں بیرم خان اور اکبر نے آگرہ کے اپنے حاکم سکندر خان

دہلی کے اپنے حاکم تردی بیگ اور سانبھل کے حکمران علی قلی خان شیبانی کی طرف پیغام بھجوائے کہ وہ ہیمو بقال کا مقابلہ کریں اور اسے کسی بھی صورت دہلی پر قبضہ نہ کرنے دیں۔

اسی دوران اکبر اور بیرم خان کو ایک اور بری خبر ملی۔ اس وقت ہمایوں کے سارے اہل خانہ اور رشتے دار کابل میں قیام کئے ہوئے تھے۔ بری خبر یہ آئی کہ بدخشاں کے حاکم سلیمان مرزا نے اکبر سے بغاوت کر کے کابل کا رخ کیا تھا اور کابل کا محاصرہ کر کے وہ اسے فتح کرنا چاہتا تھا۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے اکبر اور بیرم خان نے اپنے لشکر کا ایک حصہ کابل کے دفاع کے لئے روانہ کیا اس لشکر کے پہنچنے کی وجہ سے بدخشاں کا حاکم سلیمان خان تو واپس بدخشاں چلا گیا جبکہ کابل میں جو اکبر کے عزیز واقارب تھے انہیں اکبر نے اپنے پاس بلالیا۔

دوسری طرف سکندر خان، تردی بیگ اور علی قلی خان کے پاس کوئی بڑے لشکر نہیں تھے وہ ہیمو بقال کا مقابلہ نہ کر سکے۔ کئی مقامات پر جھڑپیں ہوئیں جس میں ہیمو بقال نے مغلوں کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کو منتشر کر دیا۔ اس طرح ہیمو بقال آگے بڑھا اور دہلی پر اس نے قبضہ کر لیا۔ دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد ہیمو بقال نے بکر ماجیت کا لقب اختیار کیا اور اپنے نام کے سکے بھی جاری کر دیئے۔

اس دوران اکبر کے سالاروں میں سے تردی بیگ و سکندر خان اور علی قلی خان شیبانی اپنے چھوٹے چھوٹے لشکروں کے ساتھ سرہند کے مقام پر جمع

ہو گئے تھے۔ دہلی کے ہاتھ سے نکلنے کی خبر بیرم خان اور اکبر کو اس وقت ہوئی جب وہ جالندھر کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ بڑی تیزی سے انہوں نے اپنے لشکر کے ساتھ سرہند کا رخ کیا۔

سرہند کے مقام پر جب بیرم خان اور اکبر پہنچے تب تردی بیگ خان نے اکبر اور بیرم خان کو مشورہ دیا کہ ہیمو بقال کے پاس بہت بڑا لشکر ہے لہٰذا اس سے ٹکرانا اپنے لشکریوں کو موت کے منہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا فی الحال دہلی کو اس کے حال پر چھوڑ کر ہمیں اپنا مال و اسباب سمیٹ کر اور لشکر کو لے کر کابل کا رخ کرنا چاہیئے۔

تردی بیگ چونکہ بار بار یہی مشورہ دیتا تھا کہ ہیمو بقال سے جنگ نہیں کرنی چاہیئے کابل چلے جانا چاہیئے اس سے بیرم خان کو یہ خدشہ ہوا کہ اس کے ان مشوروں کی وجہ سے لشکر کے اندر بددلی پھیل جائے گی اور وہ ہیمو بقال کا مقابلہ نہیں کریں گے لہٰذا بیرم خان نے تردی بیگ خان کو قتل کر دیا۔

سرہند کے مقام پر جمع ہونے کے بعد اکبر اور بیرم خان نے اپنے سارے لشکر کو جمع کیا اور ہیمو بقال کا مقابلہ کرنے کے لئے دہلی کا رخ کیا۔ اپنے ہراول لشکر کا کماندار اکبر نے علی قلی خان شیبانی کو مقرر کیا تھا۔

دوسری طرف ہیمو نے بھی توپ خانے پر مشتمل اپنے لشکر کا ایک حصہ اکبر کی طرف روانہ کیا اس طرح اکبر کے ہراول لشکر اور ہیمو بقال کے اس لشکر کے حصے کے درمیان جنگ ہوئی۔ اکبر کے ہراول لشکر کی کمانداری علی قلی خان کر رہا تھا۔ اس نے ہیمو بقال کے لشکر پر حملہ آور ہو کر نہ صرف اسے نقصان پہنچایا بلکہ

اس سے توپ خانہ بھی چھین لیا۔اس طرح اکبر اور بیرم خان اپنے لشکر کو لے کر 5نومبر 1556ء کو پانی پت کے تاریخی میدان میں داخل ہوئے۔

دوسری طرف ہیمو بقال بھی اپنے لشکر کو لے کر پانی پت کے میدان میں داخل ہو گیا تھا۔ہیمو بقال نے لگ بھگ 1500 ہاتھی اپنے لشکر کے آگے رکھے دونوں لشکر پانی پت کے میدان میں ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ہولناک جنگ شروع ہو گئی تھی۔

ہیمو بقال کی بدقسمتی کہ جس وقت جنگ اپنے عروج پر تھی ایک مسلمان لشکری کا تیر ہیمو کی آنکھ کے قریب لگا اور اس کے سر کے پچھلے حصے سے نکل گیا۔

گو اکبر اور بیرم خان کے لشکر کے مقابلے میں ہیمو بقال کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی لیکن جب ہیمو بقال زخمی ہوا تو جس ہاتھی پر وہ سوار تھا اس ہاتھی کے مہاوت نے ہیمو بقال کو اس کے زخمی ہونے کی وجہ سے میدان جنگ سے پیچھے لے جانا چاہا لیکن ہیمو بقال کی بدقسمتی کہ اس وقت ایک ترک لشکری، نام جس کا شاہ قلی خان تھا اچانک ہیمو بقال اور اس کے مہاوت پر ٹوٹ پڑا اور اس نے ہیمو بقال کو گرفتار کر کے اکبر کے سامنے پیش کر دیا۔اکبر نے ہیمو بقال کا سر قلم کر دیا تھا اس طرح پانی پت کے میدان میں ہیمو بقال کو بدترین شکست ہوئی اور ایک فاتح کی حیثیت سے اکبر اور بیرم خان دہلی میں داخل ہوئے۔

ہیمو بقال کے لشکری جب میدان جنگ سے بھاگے تو اکبر نے اپنے ایک سالار سکندر خان کو ان کا تعاقب کرنے کے لئے روانہ کیا۔سکندر خان نے دور تک ان کا تعاقب کر کے ان کی تعداد مزید کم کی۔لشکر میں ہیمو بقال کی بیوی بھی

شامل تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح بچتی بچاتی ہوئی میوات کے علاقے کی طرف بھاگ گئی۔

اب اکبر نے ایک طرح سے اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرلیا تھا لیکن اسی دوران بد قسمتی سے اکبر اور اس کے سپہ سالار اور اتالیق بیرم خان کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔

بیرم خان بنیادی طور پر بدخشاں شہر کا رہنے والا تھا۔ اس نے اکبر کے پاس ہمایوں کے وقت سے ہی نہایت وفاداری سے مغلوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے اپنی صلاحیتوں اور دیانت داری کے بل بوتے پر جو بلند مقام حاصل کیا تھا وہ تاریخ میں بہت کم لوگوں کے لئے مقدور تھا۔ پانی پت کی جنگ میں ہیمو بقال کے خلاف فتح حاصل کرنے کے بعد جب اکبر کے پاؤں جم گئے تب کچھ لوگوں نے بیرم خان کے خلاف سازشوں کے جال بننا شروع کر دیئے۔ اسی دوران بیرم خان سے بھی کچھ غلطیاں ہوئیں اور ان غلطیوں کو دشمنوں اور مخالفوں نے اس قدر ابھارا کہ اکبر اور بیرم خان کے درمیان اختلافات کو عروج پر پہنچا دیا۔

بیرم خان سے پہلی غلطی یہ ہوئی کہ اس نے اکبر کی اجازت کے بغیر دہلی کے حاکم تردی بیگ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حالانکہ اس نے صرف یہ مشورہ دیا تھا کہ ہیمو بقال کا مقابلہ کرنے کی بجائے کابل کا رخ کرنا چاہیئے۔

بیرم خان سے دوسری غلطی یہ ہوئی کہ ایک روز بیرم اکبر کے ایک سالار پیر محمد کے گھر اسے ملنے کے لئے گیا۔ پیر محمد بیرم کے ماتحت کام بھی کر چکا تھا۔ اس سے ملاقات کرنے کے لئے بیرم خان کو تھوڑی دیر اس کے دروازے پر انتظار

کرنا پڑا بیرم خان نے اسے اپنی توہین قرار دیا تھا اور اکبر سے مشورہ کئے بغیر اس نے پیر محمد کو قید خانہ میں ٹھونس کر رکھ دیا۔

بیرم خان سے تیسری غلطی یہ ہوئی کہ اس نے اپنے ایک جاننے والے ایرانی شیخ گدائی کو اکبر سے مشورہ کئے بغیر سلطنت میں ایک انتہائی اہم عہدہ عنایت کر دیا۔ اس کی اس حرکت نے بھی اس کے حاسدوں کو اکبر کے کان بھرنے کا موقع فراہم کیا۔

بیرم خان سے انہی دنوں چوتھی غلطی یہ ہوئی کہ شاہی محل کے بہت سے ملازم بھی اس کے خلاف ہو گئے اس لئے کہ بیرم خان نے اپنے پسندیدہ افراد کو نوازنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بادشاہ کے ملازموں کو معمولی سے معمولی بات پر بھی سزائیں دے دیتا۔ لیکن اس کے اپنے ملازمین بڑے سے بڑا بھی جرم کرتے تو انہیں معاف کر دیتا۔

بیرم خان کو جب ان حالات کی خبر ہوئی تو اس کے ساتھیوں نے بیرم خان کو مشورہ دیا کہ اس کے خلاف بہت بڑی سازش تیار کی جارہی ہے لہٰذا وہ خود بھی حرکت میں آئے اور اکبر کو قتل کر دے لیکن بیرم خان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسری طرف اکبر کے دل میں بیرم خان کے خلاف شبہات اپنے عروج پر پہنچ چکے تھے۔ جن دنوں بیرم خان لشکر کے ایک حصے کے ساتھ پنجاب میں مقیم تھا اکبر نے اپنے دوسرے سالار پیر محمد کو ایک لشکر دے کر بیرم خان کی طرف روانہ کیا یہ وہی پیر محمد تھا جسے بیرم خان نے زندان میں ڈال دیا تھا۔

بیرم خان نے اسے اپنی توہین سمجھا کہ پیر محمد کو اس کی طرف روانہ کیا جارہا

ہے تا کہ وہ اس پر نگاہ رکھے اور اسے اپنا ماتحت بنائے۔ اس بناء پر بیرم خان اپنا لشکر لے کر جالندھر کے قریب پہنچا پیر محمد اور بیرم خان کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی جس میں بیرم خان کو شکست ہوئی۔

بیرم خان کو پکڑ کر اکبر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اکبر نے اسے معاف کر دیا اسے شاندار خلعت پیش کی اس کے بعد اسے مکہ جانے کی اجازت دے دی۔

مکہ جانے کے لئے بیرم خان جب روانہ ہوا تو راستے میں ایک افغانی نے اس پر حملہ آور ہو کر اُسے قتل کر دیا۔ اس کی بیوی سلیمہ بیگم اور اس کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم خان کو اکبر کے پاس پہنچا دیا گیا۔ سلیمہ بیگم سے اکبر نے شادی کر لی جبکہ چار سالہ عبدالرحیم خان کی پرورش شاہی محل میں ہوئی۔ یہی عبدالرحیم آگے چل کر شہنشاہ اکبر کے پسندیدہ لوگوں میں شامل ہوا اور اسے خان خاناں کا خطاب دیا گیا تھا۔

اکبر اور بیرم خان کے درمیان اختلافات پیدا کرنے میں ایک شخص ماہم و اس کی بیوی اور بیٹے ادھم خان نے بڑا کردار ادا کیا تھا۔ ادھم خان اکبر کی دائی کا بیٹا تھا وہ اکبر کی رضاعی ماں بھی تھی اور رضاعی ماں کو عتکہ کہتے تھے اور رضاعی بھائی کو ''کذ'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے اس طرح بیرم خان کا خاتمہ کرانے کے بعد ادھم خان نے چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے اکبر کی نگاہوں میں عزت واحترام حاصل کر لیا تھا۔
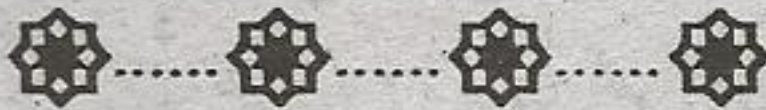
بیرم خان کے مرنے کے بعد جو سب سے بڑا حادثہ پیش آیا وہ یہ کہ گوالیار کے حاکم عادل شاہ کے بیٹے شیر خان نے افغانوں کی عظمت کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ یہ چونکہ شیر شاہ سوری کے رشتہ داروں میں سے تھا لہٰذا یہ شیر خان 40 ہزار سواروں کے ساتھ جون پور شہر کی طرف بڑھا تا کہ مغلوں سے وہ شہر چھین کر اپنے قبضہ میں کر لے۔

اکبر کو جب پتہ چلا کہ شیر خان 40 ہزار کے لشکر کے ساتھ جون پور پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تو اس نے اپنے ایک ازبک سالار خان زمان کو شیر خان کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ خان زمان انتہاء درجہ کا بہادر شجاع اور زندہ دل نوجوان تھا۔ گو اس کے پاس صرف بارہ ہزار کا ایک لشکر تھا لیکن وہ شیر خان کے 40 ہزار کے لشکر کے سامنے جم گیا۔ دونوں لشکروں کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی اس جنگ میں حیرت انگیز طور پر خان زمان نے اپنے 12 ہزار کے لشکر کے ساتھ شیر خان کے 40 ہزار لشکریوں کو بدترین شکست دی۔ اس معرکہ میں خان زمان کا بھائی بہادر خان بھی اس کے ساتھ تھا اور اس

نے بھی اس معرکہ میں بڑی بہادری اور جراُت مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے جب صرف 12 ہزار کے لشکر کے ساتھ 40 ہزار کے لشکر کو شکست دی تو لوگوں کی نگاہوں میں دونوں بھائیوں کی عزت اور ان کا احترام دو چند ہو گیا تھا۔

زمان خان اور بہادر خان دونوں بھائیوں کی اس کامیاب مہم کے بعد اکبر آگرہ شہر سے نکل کر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے دربار میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہوا۔ جب وہ جے پور کے علاقے سانبھل میں پہنچا تو وہاں کے راجہ بہاری مل نے اکبر کا بہترین انداز میں نہ صرف استقبال کیا بلکہ راجہ بہاری مل نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اکبر اس کی حسین و خوبصورت بیٹی جودھا بائی سے شادی کر لے۔

اکبر نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ پہلے وہ اجمیر گیا۔ واپسی پر سانبھل کے مقام پر راجہ بہاری مل نے اپنی خوبصورت بیٹی جودھا بائی کو اکبر کے ساتھ بیاہ دیا۔ راجہ بہاری مل کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد اکبر نے راجہ بہاری مل کو ایک سالار کی حیثیت سے اپنے لشکر میں شامل کر لیا اور اس کے بیٹے بھگوان داس کو بھی سالار کا عہدہ دے دیا۔ اس کے علاوہ بھگوان داس کے بھتیجے اور منہ بولے بیٹے راجہ خان سنگھ کو بھی اکبر نے اپنے لشکر میں اعلیٰ عہدے پر فائض کر دیا تھا۔

سانبھل کے راجہ بہاری مل کی بیٹی سے اکبر کا بیٹا شہزادہ سلیم پیدا ہوا جو بعد میں جہانگیر کے نام سے ہندوستان کا شہنشاہ بنا۔ جہانگیر کی شادی بھی راجہ بھگوان داس کی بیٹی سے اس وقت ہوئی تھی جب جہانگیر کی عمر صرف پندرہ برس تھی۔

اب اکبر نے آہستہ آہستہ اپنی سلطنت کو وسعت دینے کا تہیہ کرلیا تھا۔
اس سے پہلے اس نے میرٹھ کے قلعے کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہا۔ میرٹھ نام کا یہ قلعہ ریاست جودھ پور میں شامل تھا اور یہاں کا راجہ مال دیو حکمران تھا۔
اس کے ماتحت اس کے دو بہترین سالار تھے جو جنگ کا بہترین تجربہ رکھتے تھے۔
ان میں سے ایک کا نام جگ مل اور دوسرے کا نام دیوند داس تھا۔ اکبر نے اپنا ایک لشکر راجہ مال دیو پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا اس لشکر نے میرٹھ نام کے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور قلعے کی فصیل کو گرانے کے لئے قلعے کے قریب کھدائی کر کے اس میں بارود بھر کر فصیل کو اڑانے کے انتظامات شروع کر دیئے۔
مسلمانوں کا لشکر قلعے کی فصیل کے قریب بارود بھر کر آگ لگانے اور فصیل کے ایک حصے اور برج کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح شہر کی فصیل کے اندر ایک راستہ بن گیا تھا۔
فصیل کے گرنے والے حصے پر مغلوں اور راجپوتوں کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ آخر جب لڑتے لڑتے شام ہو گئی تو مغل پیچھے ہٹ گئے۔ راجپوت شہر کے اندر چلے گئے۔ لیکن راجپوتوں نے اندازہ لگا لیا کہ حملہ آور شہر کو فتح کئے بغیر نہیں جائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے مغلوں کے لشکر سے صلح کی درخواست کی۔
مغلوں کے اس لشکر کا سالار اعلیٰ اس وقت ایک شخص مرزا اشرف تھا۔ اس نے صلح کے لئے یہ شرط پیش کی کہ شہر کے سرکردہ لوگ صرف اپنی سواری کے گھوڑوں کے علاوہ کوئی چیز اپنے ساتھ قلعے سے باہر نہ لے جائیں۔
حکمران طبقہ نے اس شرط کو منظور کرلیا لہٰذا یہ لوگ قلعے سے نکل کر اپنے

اپنے ٹھکانوں کو جانے لگے البتہ راجہ مال دیو کے سالار دیوند داس نے اُس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لشکر کے ایک حصے کے ساتھ اس نے مغلوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔

دوسری طرف اکبر کے لشکر کے سالار مرزا اشرف کو بھی اطلاع ہو چکی تھی کہ راجہ مال دیو کا سالار دیوند داس مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے وہ بھی مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار اور مستعد تھا۔ دیوند داس جب شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تب مرزا اشرف نے پوری طاقت اور قوت سے پہلے دیوند داس کے حملے کو روکا۔ اس کے بعد جوابی کارروائی کرتے ہوئے اس نے دیوند داس کے لشکریوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ زور دار حملے کرتے ہوئے مسلمانوں نے دیوند داس کے لشکر کے آدھے حصے کو کاٹ کر رکھ دیا تھا باقی اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے۔ اس معرکہ میں خود دیوند داس بھی بری طرح زخمی ہوا پھر زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ اس طرح اکبر کے لشکر نے جودھ پور کے قلعے میرٹھ پر قبضہ کر لیا تھا۔

اب اکبر نے ایک لشکر اپنے سالار ادھم خان اور پیر محمد کی سر کردگی میں مالوہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا۔ مالوہ کا حکمران ان دنوں باز بہادر تھا جو ہر وقت عیش و عشرت اور شراب نوشی میں مصروف رہتا تھا۔ اپنے ارد گرد اس نے ان گنت گانے والیوں کو جمع کر رکھا تھا۔

سارنگ پور کے مقام پر ادھم خان اور پیر محمد کے لشکر کا ٹکراؤ مالوہ کے حکمران باز بہادر کے لشکر سے ہوا جس میں باز بہادر کو بدترین شکست ہوئی اور وہ

بھاگ کھڑا ہوا۔

اس طرح مالوہ پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ مالوہ میں قیام کے دوران ادھم خان نے بڑے مظالم ڈھائے۔ باز بہادر نے اپنے محل میں جو گانے والیاں جمع کر رکھی تھیں ان پر مظالم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا قتل عام بھی کیا۔ اس دوران تک اکبر نے اسے مالوہ کا حاکم مقرر کر دیا تھا اور پیر محمد کو اس کا نائب قرار دیا تھا لیکن جب اکبر کو خبر ہوئی کہ مالوہ میں ادھم خان نے بڑے مظالم ڈھائے ہیں تو اس نے ادھم خان کو مالوہ کی حاکمیت سے معزول کر کے آگرہ بلا لیا اور پیر محمد کو وہاں کا حاکم قرار دے دیا۔

اب مالوہ کا حکمران باز بہادر مغلوں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد اپنے ہمسائے حکمرانوں کی طرف گیا۔ ان سے مدد طلب کی اور پھر مغل لشکر پر حملہ آور ہوا۔ پیر محمد کو اس کے مقابلے میں شکست کھانا پڑی اور مالوہ پر پھر باز بہادر نے قبضہ کر لیا۔ اس صورت حال کی خبر جب اکبر کو ہوئی تو اس نے کالپی کے علاقے کے اپنے حکمران اور سالار عبداللہ ازبک کی طرف پیغام بھجوایا کہ وہ خود مالوہ پر حملہ آور ہو اور مالوہ کو باز بہادر سے خالی کرائے۔ کیونکہ پیر محمد جنگ میں مارا جا چکا تھا۔

عبداللہ ایک بہادر جان نثار اور بڑا دلیر شخص تھا اپنے لشکر کے ساتھ باز بہادر پر وہ حملہ آور ہوا باز بہادر کو شکست دی اور انجام کار باز بہادر کو گرفتار کر کے اکبر کے پاس آگرہ روانہ کر دیا گیا اور ان علاقوں کا حاکم اکبر نے عبداللہ ازبک کو بنا دیا تھا۔

ادھم خان کو مالوہ کی حاکمیت سے محرومی کا بڑا دکھ اور غم تھا۔ اس سے پہلے بیرم خان کے خلاف یہی ادھم خان اکبر کے کان بھرتا رہا تھا اور بیرم خان اور اکبر کے درمیان اختلافات پیدا کرنے میں یہ ادھم خان پیش پیش تھا۔ بیرم خان کے مرنے کے بعد ایک شخص شمس الدین کو اکبر نے اپنی سلطنت کا وزیر اور وکیل مقرر کیا تھا۔ ادھم خان کو جب اکبر نے مالوہ کی حاکمیت سے معزول کر کے اپنے پاس بلا لیا تب ادھم خان شمس الدین کے خلاف بھی وہی حرکتیں کرنے لگا جو اس نے بیرم خان کے خلاف کی تھیں۔ بیرم خان کی طرح اس نے شمس الدین کو بھی اکبر کی نگاہوں میں گرانے کی کوشش شروع کر دی اصل میں شمس الدین کے خلاف چغل خوری اور دیگر حربوں کو استعمال میں لا کر ادھم خان اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا اور شمس الدین کا کام تمام کر کے خود اس کی جگہ سلطنت کا وزیر بننے کی خواہش رکھتا تھا۔

لیکن جب شمس الدین کے خلاف برابر چغل خوری اور دیگر حربوں سے بھی اس کا کام نہ بنا تب ایک روز ادھم خان شمس الدین سے ملنے کے لئے گیا۔ اس وقت شمس الدین قرآن مقدس کی تلاوت کر رہا تھا ادھم خان نے یہ بہانہ بنایا کہ وہ شمس الدین سے ملنے کے لئے آیا ہے تو اس نے کوئی تعظیم اور اہمیت نہ دی اس بناء پر اسے قتل کر دیا۔

ادھم خان کو یقین تھا کہ شمس الدین کے قتل کے بعد اکبر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ اس کی ماں اکبر کی دائی تھی اور اس کے باپ کا بھی اکبر کے ہاں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ لہٰذا اسے یقین تھا کہ شمس الدین کے قتل کا

اکبر کوئی اثر نہیں لے گا۔

شمس الدین کو قتل کرنے کے بعد ادھم خان نے ایک ایسے مکان میں قیام کر لیا جو شاہی محل کے قریب ہی تھا۔

شمس الدین جسے خانِ اعظم بھی کہہ کر پکارا جاتا تھا، اس کے قتل پر چاروں طرف شور مچ گیا۔ اس وقت اکبر اپنی حرم سرا میں سو رہا تھا شور کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے اس شور کا سبب دریافت کیا تب اسے بتایا گیا کہ ادھم خان نے شمس الدین کو قتل کر دیا ہے تو اکبر کے غصے اور غضبناکی کی کوئی انتہاء نہ تھی وہ شب خوابی کے لباس ہی میں اس جگہ آیا جہاں ادھم خان نے شمس الدین کو قتل کیا تھا مؤرخین لکھتے ہیں کہ شمس الدین کی لاش کو دیکھ کر اکبر غصے کی وجہ سے تھر تھر کانپنے لگا تھا۔

اسی غصے کے عالم میں اکبر نے اپنی تلوار سنبھالی اور اس عمارت میں گیا جہاں ادھم خان نے قیام کیا ہوا تھا جب اکبر ادھم خان کے سامنے آیا تو اس سے انتہائی غصہ میں پوچھا۔

"تم نے خانِ اعظم شمس الدین کو کیوں قتل کیا؟"

ادھم خان منہ سے کچھ نہ بولا بھاگ کر آگے بڑھا اور اکبر کے پاؤں پکڑ لیئے اور زار و قطار رونا شروع کر دیا اکبر نے اس کی اس حرکت کو بے ادبی جانا اور اس کے غصے میں اور اضافہ ہو گیا اسی غضب کے عالم میں اس نے ادھم خان کے منہ پر ایک ایسا گھونسا مارا کہ ادھم خان بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا اس کے بعد اکبر نے اپنے ارد گرد جمع ہو جانے والے اپنے مسلح جوانوں کو حکم دیا کہ

ادھم خان کو اس کے دیوان خانہ کی چھت پر لے جا کر زمین پر پٹخ دیا جائے۔ ادھم خان کا وہ دیوان خانہ کئی منزلہ تھا اور کہتے ہیں کہ زمین سے لگ بھگ 12 گز کی بلندی پر تھا۔ ادھم خان کو وہاں لے جا کر نیچے گرا دیا گیا۔ نیچے گرنے کے بعد وہ پوری طرح مرا نہیں اس کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں اکبر کے حکم پر اسے دوبارہ چھت پر لے جا کر نیچے پھینکا گیا اس طرح ادھم خان اپنے انجام کو پہنچا۔

اب اکبر کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ برصغیر کا ایک بے مثال حکمران بنے چنانچہ اپنی سلطنت کے اردگرد جو مضبوط اور مستحکم ریاستیں تھیں ان پر حملہ آور ہو کر اس نے انہیں اب اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ایک انتہائی طاقتور ریاست ”گونڈوانہ“ پر پڑی۔

گونڈوانہ کا راجہ ان دنوں بھیر نارائن تھا لیکن یہ نام کا راجہ تھا۔ حکومت کی باگ ڈور اصل میں اس کی ماں رانی درگاوتی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ رانی سارے سیاہ و سفید کی مالک تھی۔ اس کا بیٹا راجہ بھیر نارائن ایک طرح سے اپنی ماں کے نائب کے طور پر کام کر رہا تھا۔

رانی درگاوتی بڑی عقل مند اور دانشمند تھی۔ ریاست کا انتظام اس نے نہایت قابلیت کے ساتھ سنبھالا ہوا تھا اور پھر رانی کی عسکری طاقت کا یہ حال تھا کہ اس سے پہلے مالوہ کے حکمران باز بہادر نے بھی ایک بار اس پر حملہ آور ہو کر ریاست پر قبضہ کرنا چاہا لیکن باز بہادر کو رانی درگاوتی نے شکست دی تھی۔ علاوہ ازیں مختلف مواقوں پر افغان لشکری بھی اس پر حملہ آور ہوتے رہے لیکن ان کے مقابلے میں درگاہ وتی نے خوب دفاع کیا اور ہر حملہ آور کو اس نے شکست دی۔

اب اکبر نے اپنے سالار آصف خان کو ریاست گونڈوانہ پر حملہ آور ہونے کے لئے حکم دیا۔ آصف خان 50 ہزار سواروں کا ایک لشکر لے کر گونڈوانہ کی طرف بڑھا تھا۔

دوسری طرف رانی درگاوتی کی عسکری حیثیت بھی بڑی مضبوط اور مستحکم تھی اس کے پاس ہر وقت 20 ہزار گھڑ سواروں کے علاوہ ایک ہزار ہاتھی اور ان گنت بے شمار پیادہ سپاہی رہتے تھے۔

رانی درگاوتی کو جب خبر ہوئی کہ اکبر کا سالار آصف خان اس پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تب وہ اپنے مرکزی شہر چوڑ گڑھ سے نکلی جبل پور کے نواح میں گڑھ اور منڈل نام کے دو مقاموں کے درمیان رانی درگاوتی اور آصف خان کے درمیان لشکروں کا ٹکراؤ ہوا دونوں لشکر بری طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔

رانی درگاوتی اور اس کے بیٹے راجہ بھیر نارائن کی بدقسمتی کہ جنگ کے شروع میں ہی بھیر نارائن بری طرح زخمی ہو گیا اور اسے رانی نے پچھلے حصے کی طرف روانہ کر دیا۔

اس کے بعد جب مسلمانوں کی طرف سے تیز تیر اندازی کی گئی تب رانی کی بدقسمتی کہ اسے دو تیر ایسے لگے کہ وہ بری طرح زخمی ہو گئی رانی کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ ان کا راجہ بھیر نارائن زخمی ہو کر پہلے ہی پیچھے جا چکا ہے اور رانی بھی بری طرح زخمی ہوئی ہے تو انہوں نے لڑائی بند کر دی جی چھوڑ بیٹھے شکست قبول کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

رانی نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر کو شکست ہوئی ہے اس کے لشکری اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے ہیں تو اسے خطرہ ہوا کہ مسلمان اسے گرفتار کرلیں گے۔ اس لئے کہ وہ شدید زخمی تھی اور بھاگ نہ سکتی تھی۔ لہٰذا اس نے اپنا خنجر نکالا اور اپنے پیٹ میں گھونپ کر اپنا خاتمہ کرلیا تھا۔ آصف خان اپنے لشکر کے ساتھ رانی درگاوتی کی ریاست گونڈوانہ کے دارالحکومت چوڑگڑھ کی طرف بڑھا۔

راجہ بھیر نارائن گو زخمی ہو چکا تھا لیکن بڑی تیزی سے اپنے دارالحکومت کی طرف گیا ایک اور لشکر استوار کیا اور مسلمانوں کے مقابلے پر آیا لیکن اس کی بدقسمتی کہ ایک بار پھر اسے شکست ہوئی اس بار وہ جنگ میں کام آ گیا۔ اس طرح ریاست گونڈوانہ پر مغلوں کا قبضہ ہوگیا۔

آصف خان جب اپنے لشکر کے ساتھ ریاست گونڈوانہ کے مرکزی شہر چوڑگڑھ میں داخل ہوا تو رانی کے لشکریوں نے شاہی خاندان کی ساری عورتوں کو ایک جگہ جمع کر کے آگ لگا کر ان کا خاتمہ کر دیا صرف دو عورتیں بچیں۔ ایک رانی درگاوتی کی بہن اور بھیر نارائن کی خالہ کملاوتی تھی اور دوسری اس کی ایک اور قریبی عزیز لڑکی تھی۔

آصف خان جب اپنے لشکر کے ساتھ چوڑگڑھ میں داخل ہوا تو یہاں سے اسے بہت سا سونا و بے شمار جواہرات و سونے چاندی کے ڈھیر و چاندی کے بت وایک ہزار ہاتھی اس کے علاوہ بہت سا مال و دولت بھی ہاتھ لگا۔ پھر اس نے اپنے لشکر کے ساتھ چوڑگڑھ میں ہی قیام کرلیا اور مال غنیمت میں سے صرف دو سو ہاتھی اور کچھ ہی سامان اکبر کی طرف روانہ کر دیا۔

اسی دوران اکبر کو کسی نے اکسایا کہ مالوہ کا ازبک حاکم عبداللہ اکبر کے خلاف بغاوت کرنے کے درپے ہے۔ حالانکہ عبداللہ نے مغلوں کی سلطنت کو مضبوط کرنے اور اسے استحکام بخشنے کے لئے بہت کام کیا تھا۔ عبداللہ کے علاوہ بھی جس قدر ازبک ہندوستان میں تھے انہوں نے ہندوستان میں مغلوں کی حکومت کے لئے بہت کام کئے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی اکبر ایک لشکر کے ساتھ مالوہ کی طرف روانہ ہوا۔ ظاہر اس نے یہی کیا کہ وہ شکار کے لئے نکلا ہے حالانکہ اس کا ارادہ عبداللہ سے باز پرس کرنا اور اسے گرفتار کرنا تھا۔

دوسری طرف عبداللہ ازبک کو جب خبر ہوئی کہ اکبر کو اس کے خلاف کر دیا گیا ہے اور یہ کہ اکبر ایک لشکر کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا ہے تب بھی عبداللہ اکبر سے ٹکرانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ بچ کر گجرات کی طرف بھاگ جائے گا۔ عبداللہ جب لوانی کے مقام پر پہنچا تو اکبر نے اسے جالیا۔ اکبر نے اس پر حملہ کر دیا لیکن عبداللہ کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچا کر گجرات کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح اکبر نے آگے بڑھ کر اپنے لشکر کے ساتھ مانڈو کے مقام پر قیام کیا اور مالوہ کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اسے درست کرنا شروع کر دیا۔

یہاں قیام کے دوران اکبر کو پتہ چلا کہ خاندیش کے حکمران مبارک شاہ دوئم کی ایک بیٹی ہے جو انتہاء درجہ کی خوبصورت ہے۔ اکبر نے اس کے نام پیغام بھجوایا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اکبر سے کر دے۔ خاندیش کا حکمران مبارک شاہ اس پر آمادہ ہو گیا اور اپنی بیٹی کو اس نے اکبر کے نکاح میں دے دیا۔

یہاں سے اکبر لوٹا اور آگرہ واپس آیا اس دوران اس نے آگرہ کے ایک قلعہ کو نئی شکل وصورت دینے کا عزم کیا۔ اس نے حکم دیا کہ پرانی اینٹوں کے اس قلعے کو گرا کر نیا قلعہ تعمیر کیا جائے اور قلعے کی تعمیر میں مضبوط اور بڑے بڑے پتھر استعمال کیے جائیں۔

اکبر کے حکم سے آگرہ کے قلعہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا اور تعمیر کا یہ کام لگ بھگ پندرہ برس تک برابر جاری رہا اور اس پر کروڑوں کی رقم خرچ ہوئی۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اکبر نے آگرہ میں 500 سے زیادہ عمارتیں تعمیر کرائیں۔ ان عمارتوں کے نمونے بنگال اور گجرات کی عمارتوں کے مطابق تعمیر کیے گئے اور بہت سے ماہر معمار مختلف مقامات سے بلائے گئے تھے۔ پرانا آگرہ شہر جو لودھیون کے زمانے میں بڑی اہمیت رکھتا تھا وہ دریا کے بائیں کنارے تھا۔ اکبر نے نیا آگرہ دریا کے دائیں کنارے تعمیر کرنا شروع کیا۔ بعد کے دور میں شاہ جہاں نے اس کا نام تبدیل کر کے اکبر آباد رکھ دیا تاکہ اس کے دادا کے نام پر یہ شہر آباد رہے۔

اس کے علاوہ اکبر نے انہی دنوں آگرہ سے لگ بھگ سات میل جنوب میں ککرالی کے مقام پر ایک نیا محل اور شکار گاہ تعمیر کرنے کا بھی حکم دیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے درباریوں کو محل سے باہر رہائشی مکانات تعمیر کرنے اور باغات لگوانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس جگہ کو اس نے نگر چھائیں کا نام دیا تھا۔ یہ محل عموماً اکبر کے کبوتر بازی اور چوگان کھیلنے کے دوران استعمال ہوتا تھا۔ یہ نگر چھاؤں اس وقت ویران ہونا شروع ہوا، جب اکبر نے آگرہ شہر کی بجائے

دوسرے شہر فتح پور سیکری کو زیادہ اہمیت دینا شروع کر دی تھی۔

جن دنوں اکبر آگرہ میں نئی نئی عمارتیں تعمیر کر رہا تھا۔ انہی دنوں بہار کے علاقے میں ان گنت افغانوں نے مغلوں کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی۔ اکبر کو جب اس بغاوت کی خبر ہوئی تو اس نے جون پور کے اپنے حاکم خان زمان کو افغانوں پر حملہ آور ہو کر اس بغاوت کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ خان زمان چھوٹا سا ایک لشکر لے کر افغانوں کی سرکشی کے لئے روانہ ہوا لیکن افغانوں کے قریب جا کر اس نے اندازہ لگایا کہ اس کے مقابلے میں افغانوں کا لشکر بہت بڑا ہے لہٰذا ان کے خلاف کامیابی کی امید بہت کم ہے اس بناء پر وہ افغانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے ہچکچانے لگا۔

خان زمان چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح افغانوں کی اکبر کے ساتھ گفتگو ہو جائے اور صلح کا کوئی راستہ نکل آئے اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔ لیکن افغانوں نے اپنی طرف سے پہل کر دی اور وہ خان زمان کے لشکر پر رات کے وقت حملہ آور ہوئے خان زمان اس حملے کی امید نہیں کر سکتا تھا لہٰذا وہ اپنا پڑاؤ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا۔

افغانوں کی کمانداری اس وقت ایک افغان حسن خان کر رہا تھا۔ جب افغانوں نے اچانک خان زمان پر حملہ آور ہو کر اسے نقصان پہنچایا اور اسے بھاگ جانے پر مجبور کیا تب خان زمان نے بھی ان سے انتقام لینے کا تہیہ کر لیا۔ وہ اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ ایک جگہ گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ جب افغانوں کا سالار حسن خان وہاں سے گزرنے لگا تب گھات سے نکل کر خان زمان نے

حسن خان اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ حسن خان جس ہاتھی پر سوار تھا اسے مار گرایا۔ افغان لشکریوں نے جب دیکھا کہ ان کا سالار اپنے ہاتھی سے گر گیا ہے اور حملہ آور اس کے ہاتھی پر حملہ آور ہو کر ہاتھی کا بھی خاتمہ کر چکے ہیں تو اس کے لشکر میں افراتفری پھیل گئی۔

اسی دوران افغانوں کی بد قسمتی کہ ان کے پڑاؤ میں ایک ہاتھی زنجیریں توڑ کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس ہاتھی نے میدان میں ایک اور ہاتھی کو بھی ہلاک کر دیا ان پے در پے واقعات سے افغانوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ یہ جو ہاتھی ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے ہیں اور ان کا سالار حسن خان بھی ہاتھی سے گر گیا ہے تو انہیں شکست ہو چکی ہے۔ لہٰذا یہ خبر پورے لشکر میں پھیل گئی اور افغانی افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد خان زمان نے پوری طاقت وقوت سے افغانوں پر حملہ کیا اور انہیں پیس کر رکھ دیا۔ اس کے بعد خان زمان جون پور کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

جون پور پہنچ کر خان زمان نے بھی اکبر کے خلاف سرکشی اور بغاوت کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس لئے کہ جون پور میں یہ خبریں پہنچ گئیں کہ اکبر مالوہ کے ازبک حکمران عبداللہ پر حملہ آور ہوا اور عبداللہ گجرات کی طرف بھاگ گیا ہے۔ خان زمان اور اس کے علاوہ اور بہت سے سالار چونکہ ازبک تھے لہٰذا انہیں اکبر کے اس رویے پر بڑا دکھ ہوا کہ اس نے ناحق عبداللہ پر حملہ کیا اور اسے مالوہ کی حکومت سے محروم کر کے اسے بے بسی کی حالت میں گجرات کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کیا۔

ازبکوں نے چونکہ انتہاء وفاداری اور تہذیبی کے ساتھ مغلوں کی سلطنت کو استحکام بخشنے کے لئے کام کیا تھا اس کے علاوہ وہ بڑی جانثاری سے اکبر کا بھی ساتھ دے رہے تھے۔ انہوں نے مغل حکومت کے قیام اور استحکام کے لئے گراں قدر خدمات انجام دی تھیں۔ وہ سارے ازبک جو اس وقت اکبر کے لشکر میں شامل تھے وہ اپنے آپ کو ایک کنبہ کی صورت خیال کرتے تھے اور وہ مغلوں کی سلطنت کے زیادہ تر مشرقی صوبے میں آباد تھے۔

ازبک سرداروں میں جون پور کا حاکم خان زمان بڑا نمایاں تھا۔ اس کے علاوہ ہمسائے کے علاقے میں اس کا بھائی بہادر خان حاکم تھا اور ان دونوں کا چچا ابراہیم خان جون پور کے شمال میں سرہر پور کے علاقوں کا والی تھا۔ انہی کا ایک اور رشتہ دار اور عزیز سکندر خان تھا جو اس وقت اودھ کا حاکم تھا۔ بیرم خان کے بعد اکبر کی سلطنت کو اگر کسی نے مضبوط اور مستحکم کیا تھا تو وہ ازبک ہی تھے۔

ازبکوں کو پہلے یہ شکایت تھی کہ انہیں ان کی گراں قدر خدمات کا صلہ نہیں دیا گیا۔ جبکہ ان کے مقابلے میں ایرانیوں نے اکبر کی حکومت کے لئے کچھ نہیں کیا لیکن اکبر ایرانیوں کو ان کی نسبت زیادہ نوازتا تھا۔ ازبکوں کو یہ بھی شکوہ تھا کہ انہیں مشرقی صوبوں میں مختلف جگہوں پر تعینات کر کے ہر وقت ہنگامی حالات میں الجھا دیا گیا ہے اور یوں وہ دربار سے دور ہو گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعلیٰ مناصب سے دور ہیں اور ان کے دور ہونے کی وجہ سے مرکز میں مراتب ان لوگوں کو ملنے لگے جنہوں نے مغلوں کی حکومت کو مستحکم کرنے میں کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا تھا۔ اب جب مالوہ کے حکمران عبداللہ

پر حملہ آور ہو کر اکبر نے اسے گجرات کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کیا تب ازبکوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اکبران کے پورے قبیلے سے متنفر ہو گیا ہے لہٰذا ازبکوں نے بھی فیصلہ کیا کہ وہ اکبر سے علیحدگی اختیار کریں گے اور کچھ علاقوں پر اپنی حکومت قائم کر لیں گے۔

اب ازبکوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ سکندر اور خان زمان کا چچا ابراہیم قنوج کی طرف پیش قدمی کریں جبکہ خود خان زمان اور اس کا بھائی بہادر خان مانک پور پر حملہ آور ہو اور ان علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی حالت کو مضبوط اور مستحکم کر لیا جائے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد ابراہیم اور سکندر بڑی تیزی سے قنوج کی طرف بڑھے۔ راستے میں انہیں ایک لشکر کا سامنا کرنا پڑا لیکن ابراہیم اور سکندر نے حملہ آور ہو کر اکبر کے اس لشکر کو شکست دی اور بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ دوسری طرف خان زمان اور بہادر خان دونوں بھائیوں نے مانک پور پر حملہ کر دیا اور مانک پور کا محاصرہ کر لیا مانک پور میں ان دنوں اکبر کی طرف سے ایک شخص مجنون خان حاکم تھا۔

جب اکبر کو ازبکوں کی اس کارروائی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے ایک سالار منعم خان کو ایک خاصہ بڑا لشکر دے کر 24 مئی 1565ء کو آگرہ سے قنوج کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کی پیش قدمی کی رفتار بڑی سست تھی اس لئے کہ گرمی کی شدت کے باعث لشکر صرف رات کے وقت سفر کر سکتا تھا۔
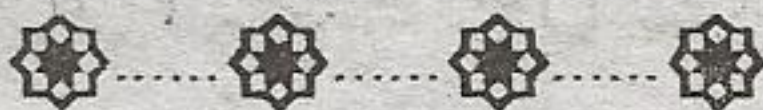
اکبر کو جب اطلاع ملی کہ گرمی کی وجہ سے منعم خان کے آگے بڑھنے کی رفتار بہت سست ہے اور یہ کہ ابراہیم اور سکندر قنوج کے راستے بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے لکھنؤ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تب اکبر بڑا برہم ہوا۔ ایک لشکر لے کر وہ نکلا اور بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ وہ لکھنؤ کی طرف بڑھا تھا۔ اکبر نے اس تیز رفتاری سے سفر کیا کہ دریائے گنگا کو عبور کرنے کے بعد لکھنؤ اور قنوج کے درمیان 70 میل کا فاصلہ صرف دو راتوں اور ایک دن میں طے کرنے کے بعد ابراہیم اور سکندر کے سر پر پہنچ گیا۔

اکبر کے اس طرح اچانک آنے پر سکندر اور ابراہیم حیرت زدہ اور پریشان ہو گئے۔ چونکہ اکبر کے پاس خاصہ بڑا لشکر تھا اور سکندر خان اور براہیم خان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اکبر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا دونوں لڑے بغیر بھاگ کھڑے ہوئے اور خان زمان سے جا ملے جس نے مان پور پر حملہ آور ہونا تھا۔

اکبر نے آگے بڑھ کر لکھنؤ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے وہاں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا۔ خان زمان کو جب خبر ملی کہ اکبر بذاتِ خود ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ لکھنؤ پہنچ گیا ہے تب اس نے بھی مانک پور جانے کا اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

خان زمان خود بھی ہراساں ہو گیا تھا کہ اکبر کسی بھی وقت اس پر حملہ آور ہو کر ان کے سارے ارادوں کو خاک میں ملا سکتا ہے۔ لہٰذا ابراہیم خان و سکندر خان اور اپنے بھائی بہادر خان اور خود اپنے لشکر کی ساتھ خان زمان نے اب دریائے گنگا کے ساتھ

ساتھ شمال مشرق کے ویران علاقوں کا رخ کیا اور وہاں جا کر اس نے پناہ لے لی۔

دوسری طرف اکبر اپنے وزیر منعم خان کے وہاں پہنچنے کا انتظار کرتا رہا آخر اس کا دوسرا لشکر بھی اس کے پاس پہنچ گیا جو منعم خان کی سرکردگی میں تھا۔ دوسری طرف ایک اور سالار بھی اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا اس کا نام آصف خان تھا یہی وہ آصف خان تھا جس نے رانی درگاوتی کو شکست دی تھی۔ حالانکہ آصف خان کے خلاف اکبر کو بڑے گلے شکوے اور شکایات تھیں کہ رانی کو شکست دینے کے بعد اس نے کافی مال غنیمت اور ہاتھی اکبر کی طرف نہیں بھجوائے تھے لیکن اس موقع پر اکبر نے اس سے کوئی باز پرس نہ کی اس لئے کہ اس کے سامنے اب ایک ہی مقصد تھا کہ کسی نہ کسی طرح ازبکوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنائے۔ دوسری طرف خان زمان اپنے سارے ساتھی سالاروں کے ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری سے سفر کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور حاجی پور کے مقام پر جا کر اس نے پڑاؤ کیا۔ وہاں اس نے بنگال کے حاکم سلیمان خان سے رابطہ کیا اور اسے یہ پیغام بھیجا کہ وہ اس سلسلے میں اس کی مدد کرے۔ اس دوران اکبر کو بھی خبر ہوگئی کہ ازبکوں نے بنگال کے حاکم سلیمان سے رابطہ قائم کیا ہے اور وہ اس سے مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اکبر کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر بنگال کے حاکم سلیمان نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا تو پھر بغاوت کو ختم کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے قاصد بنگال کے حاکم سلیمان کی طرف روانہ کئے اور اس سے کہا کہ وہ کسی بھی صورت ان باغیوں کی مدد نہ کرے۔

لیکن اکبر کے اس قاصد کو راستے ہی میں خان زمان نے روک لیا۔ اکبر کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنا ایک اور نمائندہ اڑیسہ کے راجہ کمند دیو کے

پاس بھیجا اور اسے یہ کہلوایا کہ بنگال کا حاکم سلیمان اس کے باغیوں کی مدد کرے تو اڑیسہ کا راجہ کمند دیو سلیمان پر حملہ آور ہو جائے۔ اس طرح سلیمان باغیوں کی مدد کرنے سے باز رہے گا۔ راجہ کمند دیو نے اکبر سے وعدہ کر لیا کہ وہ جس وقت موقع آیا بنگال کے حاکم سلیمان پر حملہ کر دے گا۔ ساتھ ہی اس نے اکبر کے قاصد کے ہاتھ ہاتھی اور کچھ بیش قیمت تحائف بھی روانہ کیے۔

اب لکھنؤ سے اکبر نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کی بڑی تیزی سے آگے بڑھتا ہوا دریائے گھاگرہ کے کنارے پہنچا اور گھاگرہ کے جنوبی کنارے اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا جبکہ دوسری جانب خان زمان اپنے سارے ساتھیوں اور لشکریوں کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

دریائے گھاگرہ کے کنارے پہنچ کر اکبر نے اپنے سالاروں کے ذمے یہ کام لگایا کہ ازبکوں کی مکمل ناکہ بندی کر دیں اور انہیں مجبور کر دیں کہ وہ بغاوت ختم کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ ساتھ ہی خود اکبر دریائے گھاگرہ سے نکل کر الٰہ آباد جا کر مقیم ہو گیا۔

خان زمان کو یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ اسے اپنی کارروائیوں میں کوئی کامیابی دکھائی نہیں دے رہی اب اس نے اکبر کے وزیر منعم خان کے نام ایک پیغام بھیجا کہ وہ اکبر سے اس کے مذاکرات کرا دے اور اسے اکبر سے معافی بھی دلوا دے۔

یہ پیغام جب اکبر کو پہنچا تو اکبر نے ایسے ردعمل کا اظہار کیا جیسے نہ اسے خان زمان پر اعتماد ہو اور نہ اپنے وزیر منعم خان پر۔ لہٰذا اس نے اپنے ایک مشیر خواجہ جہاں کو خان زمان سے بات کرنے کے لئے بھیجا۔ خواجہ جہاں وہ شخص تھا جس پر خان زمان خود بھی بھروسہ کرتا تھا۔ خواجہ جہاں کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ خان زمان کے ساتھ

معاہدے کی شرائط طے کرے اور ازبکوں کو بغاوت ختم کرنے پر راضی کر لے۔

خواجہ جہاں خان زمان کے پاس پہنچا اس سے صلح کی گفت وشنید ہوئی۔

خان زمان خواجہ جہاں کی بات مان گیا اور یہ طے پایا کہ خان زمان اپنی ماں اور چچا ابراہیم کو اکبر کے دربار میں بھیج دے جب ان سے رسمی طور پر معافی کا وعدہ کر لیا جائے تو پہلے خان زمان اور پھر بہادر خان اور سکندر اکبر کے دربار میں حاضر ہو جائیں۔ اس طرح اکبر ان سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا۔

جب خان زمان کی ماں اور اس کا چچا ابراہیم خان دونوں اکبر کے سامنے پیش کئے گئے تو اکبر نے ان کی عزت افزائی کی ان سے بات کرنے کے بعد خان زمان کو اکبر نے معاف کر دیا۔ تاہم اکبر نے یہ پیغام بھیجا کہ جب تک اکبر کا لشکر دریائے گھاگرہ کے کنارے قیام کئے ہوئے ہے۔ جون پور جانے کے لئے خان زمان دریائے گھاگرہ کو عبور نہیں کرے گا۔ جب اکبر کا لشکر وہاں سے ہٹ جائے گا تب خان زمان دریائے گھاگرہ کو عبور کر کے جون پور کا رخ کر سکتا ہے۔

اس دوران راجہ ٹوڈرمل نے جو اکبر کے لشکر میں شامل تھا ایک شخص میر معز الملک کے ساتھ مل کر ایک سازش تیار کی یہ دونوں نہیں چاہتے تھے کہ خان جہان کی وجہ سے یہ صلح اپنے انجام کو پہنچے اور اس طرح منعم خان اور خان جہاں دونوں کی اکبر کی نگاہوں میں عزت بڑھ جائے لہٰذا انہوں نے کوشش کی کہ اس صلح کو ناکام بنا دیا جائے اور ازبکوں اور اکبر کے لشکروں کے اندر جنگ کرا دی جائے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے اشتعال انگیز کارروائیاں شروع کر دیں وہ ہر صورت میں مصالحانہ کوششوں کو ناکام بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ جان بوجھ

کران دونوں نے خان زمان کے بھائی بہادر خان اور اس کے ساتھی سکندر خان کو مغلوں کے خلاف کارروائیاں کرنے پر مجبور کیا اور اکسایا جس کے نتیجہ میں خان زمان کے لشکر اور مغلوں کا ٹکراؤ ہو گیا۔ دونوں لشکر غلط فہمیوں کی بناء پر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے بد قسمتی سے اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں مغلوں کے لشکر کو زبردست شکست اٹھانا پڑی اور وہ پسپا ہو کر کنور شہر کی طرف ہٹ گئے۔

اس شکست کی خبر جب الہ آباد میں اکبر کو ہوئی تو وہ بڑا برہم اور غضب ناک ہوا۔ ساتھ ہی اکبر کو اپنے مخبروں کے ذریعہ یہ بھی اطلاع بھی مل گئی تھی کہ یہ سارا معاملہ ساری گڑبڑ میر معز الملک اور ٹوڈرمل کی سازشوں کی وجہ سے ہوئی ہے اور اسے یہ بھی خبر ہوئی تھی کہ وہ دونوں کن مقاصد کے تحت ایسا کر رہے تھے۔ چنانچہ اکبر نے بڑی دانشمندی سے کام لیا ازبکوں کو جن شرائط کے تحت معافی دی گئی تھی ان شرائط کو اکبر نے برقرار رکھا تاہم اس نے وقتی طور پر معز الملک اور راجہ ٹوڈرمل کی شاہی دربار میں حاضری معطل کر دی تھی۔

دوسری طرف جب ٹوڈرمل اور معز الملک کی وجہ سے لشکر ٹکرا گئے تب خان زمان اپنے لشکر کے ساتھ دریائے گھاگرہ کو پار کر گیا حالانکہ صلح کی شرائط میں طے تھا کہ وہ دریائے گھاگرا کو پار نہیں کرے گا اس طرح اکبر کو بڑا افسوس ہوا۔ اکبر الہ آباد سے جون پور اور وہاں سے بنارس روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے چنار نام کے قلعے میں قیام کیا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ صلح کی شرائط کے خلاف خان زمان نے دریائے گھاگرا کو عبور کیا ہے تو اس نے خان زمان کو باغی قرار دے دیا۔ دوسری طرف خان زمان نے دریائے گھاگرا کو عبور کر کے ایک مقام پر اپنے لشکر کے

ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا اور اپنے لشکر کا کچھ حصہ جون پور اور غازی پور کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ چونکہ یہ علاقے اس کے اپنے تھے جن پر وہ پہلے حکومت کر رہا تھا۔

اس پر اکبر نے فوری طور پر اپنے لشکریوں کے سالار منعم خان سے جواب طلبی کی کہ صلح کی شرائط کے خلاف اس نے کیوں ازبکوں کو دریائے گھاگرا عبور کرنے دیا۔ جب منعم خان کوئی معقول جواب نہ دے سکا تو اکبر نے خان زمان پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا۔ ساتھ ہی اکبر نے اپنے ایک سالار اشرف خان کو ایک لشکر دے کر جون پور کی طرف روانہ کیا اسے حکم دیا کہ وہ خان زمان کی والدہ کو جیل میں بند کر دے۔ خان زمان کو جب خبر ہوئی کہ اکبر نے اس کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے لشکریوں کو حکم دیا ہے کہ پوری طاقت اور قوت سے خان زمان پر حملہ کر دیں تب وہ دریائے گھاگرا عبور کر کے بھاگ نکلا۔ اکبر نے اس کے خیموں اور دیگر سارے ساز و سامان پر قبضہ کر کے لشکر کا ایک حصہ اس کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔

لیکن خان زمان بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا ہمالیہ کے جنگلوں کی طرف نکل گیا لہٰذا تعاقب کرنے والے مغلوں کے لشکر کو واپس آنا پڑا۔

اسی دوران خان زمان کا بھائی بہادر خان حرکت میں آیا وہ اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ جون پور کی طرف گیا۔ اشرف خان نے اس کی ماں کو قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ بہادر خان جون پور پر حملہ آور ہوا اپنی ماں کو اس نے قید خانے سے نکلوا دیا اور اشرف خان کو قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کے بعد اس نے جون پور شہر کو جی بھر کر لوٹا اس کے بعد وہ بنارس پہنچا اور وہاں بھی اس نے خوب لوٹ مار کرتے ہوئے اپنے لشکریوں کے ساتھ خوب سامان سمیٹا اور کئی ماہ

کے لئے اس نے لشکریوں کی ضرورت کا سامان جمع کر لیا تھا۔

یہ اطلاع ملتے ہی بڑی تیز رفتاری سے اکبر نے اپنے لشکر کے ساتھ جون پور کا رخ کیا۔ جون پور پہنچ کر اکبر نے اپنے سالاروں کو اس بناء پر سزا دی کہ ان کی غیر ذمہ داری کے باعث بہادر خان کو جون پور پر حملہ آور ہونے کا حوصلہ ہوا۔

جون پور پہنچ کر اکبر نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ جب تک ازبک باغیوں کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں ہو سکتا وہ جون پور شہر ہی میں قیام کرے گا۔

اکبر کے اس فیصلے کی اطلاع جب ہمالیہ کے جنگلوں میں خان زمان کو ہوئی تو پریشان ہوا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اکبر اگر جون پور ہی میں قیام رکھتا ہے تو وہ ازبکوں کا زور توڑے بغیر واپس آگرہ نہیں جائے گا ان حالات میں زمان خان نے اکبر کے وزیر منعم خان سے رابطہ قائم کیا اور اس سے کہا کہ وہ اکبر سے اس کی سفارش کرے کہ اکبر اسے معاف کر دے اگر ایسا ہو جائے تو وہ اکبر کی اطاعت کرے گا لیکن اس بار منعم خان کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ اکبر کے سامنے زمان خان کی سفارش کرتا۔

لیکن زمان خان کی خوش قسمتی کہ منعم خان کے علاوہ کچھ دیگر سالار اس معاملے میں پڑ گئے۔ ان سب نے مل کر اکبر سے خان زمان کی سفارش کی آخر اکبر نے بڑی ردوقدح کے بعد باغیوں کو معاف کر کے انہیں ان کے عہدوں پر بحال کر دیا۔ اس طرح یہ معاملہ طے کرنے کے بعد 29 مارچ 1566ء کو اکبر جون پور سے آگرہ کی طرف چلا گیا تھا۔
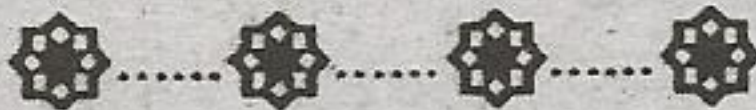
ازبکوں کی ان بغاوتوں کو ختم کرنے کے بعد اکبر اپنی جگہ مطمئن تھا اور وہ آگرہ میں قیام کئے ہوئے تھا کہ اس کے لئے ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی اسے خبر ملی کہ اس کے بھائی حکیم مرزا نے ایک طرح سے اس کے خلاف سرکشی کرتے ہوئے لاہور پر قبضہ کرلیا ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ اکبر کا چھوٹا بھائی محمد حکیم مرزا کابل کا حکمران تھا۔ اس پر اچانک بدخشاں کا حکمران سلیمان مرزا حملہ آور ہوا اور محمد حکیم مرزا کو زیر کرنے کے بعد حکیم مرزا کی جگہ اس نے ایک شخص مرزا سلطان کو کابل کا حاکم مقرر کردیا اور خود بدخشاں واپس چلا گیا۔

سلیمان خان کے واپس بدخشاں جانے کے بعد محمد حکیم مرزا حرکت میں آیا مرزا سلطان پر حملہ آور ہوا اور اسے کابل سے نکال باہر کیا۔ ایک بار پھر اس نے کابل پر قبضہ کرلیا اب جب حکیم مرزا کو یہ خبریں ملنے لگیں کہ بدخشاں کا حاکم سلیمان خان پھر اس پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہا ہے تو پھر اس نے اپنے تیز رفتار قاصد اپنے بھائی اکبر کی طرف بھجوائے اور اسے پوری صورت حال سے

آگاہ کیا اور بدخشاں کے حاکم سلیمان خان کے خلاف مدد طلب کی۔

جب حکیم مرزا کے یہ قاصد اکبر کے پاس پہنچے اس وقت اکبر ازبکوں کی بغاوتوں کو ختم کرنے میں بری طرح مصروف تھا تاہم اپنے بھائی حکیم مرزا کی مدد پر وہ فوراً آمادہ ہوا اور اپنے ملتان کے حاکم محمد قلی خان کے نام پیغام بھجوایا کہ وہ کابل کے بدلتے ہوئے حالات پر گہری نگاہ رکھے اور جب بھی بدخشاں کا حکمران سلیمان مرزا کابل پر حملہ آور ہونے کے لئے کوشش کرے تو محمد قلی خان ایک خاصہ بڑا لشکر لے کر کابل کا رخ کرے اور اس کے بھائی محمد حکیم مرزا کی مدد کرے۔ محمد حکیم مرزا کے قاصد اکبر کا جواب سن کر خوش ہو گئے تھے اور وہ واپس چل دیئے اس دوران تک بدخشاں کا حکمران سلیمان مرزا بدخشاں سے نکل کر پھر کابل پر حملہ آور ہوا۔ حکیم مرزا اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور کابل سے نکل کر اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔

حکیم مرزا جس وقت دریائے سندھ کے کنارے پہنچا تو اس کی ملاقات اپنے ان قاصدوں سے ہوئی جو اکبر کے پاس سے لوٹ رہے تھے۔ دریائے سندھ کے کنارے حکیم مرزا کو اس کے کچھ ساتھیوں نے سمجھایا کہ ان دنوں اکبر کی تمام توجہ ازبکوں کی بغاوتوں کو ختم کرنے میں لگی ہوئی ہے ازبکوں نے چاروں طرف ہنگامے کھڑے کیے ہیں اور کچھ عرصہ تک اکبر ان کے ساتھ مصروف رہے گا۔ اس لئے حکیم مرزا اب کابل تو نہیں جا سکتا سلیمان خان نے اسے وہاں سے نکال کر قبضہ کر لیا ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ حکیم مرزا لاہور پر قبضہ کر لے۔ لاہور میں اپنی طاقت وقوت کو استوار کرنے کے بعد پھر کابل پر حملہ آور ہو اور کابل کو واپس لے لے۔

حکیم مرزا نے اس تجویز کو پسند کیا لہٰذا دریائے سندھ کے کنارے سے اپنے لشکر کے ساتھ اس نے کوچ کیا اور لاہور کا رخ کیا۔ اہل لاہور کو جب خبر ہوئی کہ اکبر کا چھوٹا بھائی حکیم مرزا لاہور پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تب ان میں جو سردار اکبر کے خیر خواہ تھے وہ قلعہ بند ہو گئے۔ ان امراء میں قطب الدین اور حنیف محمد خان قابل ذکر تھے۔ لاہور پہنچ کر حکیم مرزا نے مہدی قاسم کے باغ میں قیام کیا اور پنجاب کے مختلف امراء سے مدد حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔

آخر بھاگ دوڑ کے بعد حکیم مرزا لاہور کے کچھ امراء کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح وہ لاہور شہر میں داخل ہو گیا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ اکبر کے جو خیر خواہ سالار تھے وہ تو مختصر سے لشکر کے ساتھ لاہور کے قلع میں محصور ہو گئے اور جن سالاروں نے حکیم مرزا کی طرف داری کی ان کے ساتھ حکیم مرزا نے شہر کے اندر قیام کر لیا اس دوران کچھ اور بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں پہلی یہ کہ اکبر کے کچھ سالاروں نے خفیہ ہی خفیہ حکیم مرزا کو یقین دلایا کہ وہ اکبر کے مقابلے میں اس کی حمایت کریں گے۔ دوئم یہ کہ ازبکوں کے سرکردہ خان زمان نے اعلانیہ طور پر اکبر کی مخالفت کرتے ہوئے حکیم مرزا کو اپنا حکمران اور بادشاہ تسلیم کر لیا اور اپنے علاقوں میں اس نے حکیم مرزا کے نام کا خطبہ بھی پڑھوا دیا۔ ان حالات نے ایکبار پھر اکبر کو پریشانیوں میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔ تاہم اکبر لشکر لے کر آگرہ سے نکلا اور بڑی برق رفتاری سے اس نے لاہور کا رخ کیا تھا۔

اکبر کے وہ وفادار سالار جو اپنے لشکر کے ساتھ لاہور کے قلعے میں محصور

ہو گئے تھے ایک دن وہ قلعے کی دیواروں پر چڑھ کر شادیانے بجانے لگے خوشی کا اظہار کرنے لگے نقارے پیٹنے لگے اس وقت حکیم مرزا شہر کے اندر سو رہا تھا۔ نقاروں کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ قلعے میں محصور اکبر کے حمائتی خوشی کا کیوں اظہار کر رہے ہیں؟ اس پر اسے بتایا گیا کہ اکبر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ لاہور کا رخ کر رہا ہے اور لاہور کے قریب پہنچ چکا ہے۔

یہ خبر سن کر حکیم مرزا ایسا حواس باختہ ہوا کہ اسی وقت اپنے لشکر کے ساتھ وہ لاہور سے نکلا اور بڑی برق رفتاری سے کابل کی طرف چلا گیا اس کی خوش قسمتی کہ ان دنوں سردیاں اپنے عروج پر آ گئی تھیں اور بدخشاں کا حکمران سلیمان مرزا کابل سے نکل کر بدخشاں جا چکا تھا۔ حکیم مرزا کے لئے کابل کا میدان خالی تھا۔ لہٰذا وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ایک بار پھر کابل پر قبضہ کر کے وہاں کا حکمران بن بیٹھا۔

دوسری طرف اکبر لاہور پہنچا۔ شہر میں اس نے اپنے لشکر کے ساتھ قیام کر لیا۔ لاہور میں قیام کے دوران اکبر کو دو بری خبریں ملیں پہلی یہ کہ مالوہ میں اس کے عزیز واقارب اور رشتہ داروں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی تھی دوسری یہ کہ ازبک سردار خان زمان پھر ایک بار سرکشی پر اتر آیا تھا اور اس نے اعلانیہ اکبر کی بجائے حکیم مرزا کی حمایت کر دی تھی۔

مالوہ اور اس کے گرد ونواح میں اکبر کے جن رشتہ داروں نے اس کے خلاف بغاوت کی تھی ان میں چھ بھائی سرفہرست تھے۔ ان چھ میں الغ مرزا د شاہ مرزا د

ابراہیم حسین مرزا و عقیل حسین مرزا و محمد حسین مرزا اور مسعود حسین مرزا تھے۔

اپنے ان سارے عزیزوں اقارب کو اکبر نے خاصی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں۔ مؤرخین یہ نہیں بتا سکے کہ ان رشتہ داروں نے کیوں بغاوت کی اور ان کی بغاوت کو مرزاؤں کی بغاوت کا نام دیا گیا اور اکبر نے جو انہیں جاگیریں دی تھیں ان سے نکل کر انہوں نے دوسرے علاقوں پر بھی قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے اکبر نے اپنے ایک سالار منعم خان کو ایک لشکر دے کر مالوہ کی طرف روانہ کیا اور اپنے ان عزیزوں و اقارب کو سزا دینے کا تہیہ کیا۔ خود وہ لشکر لے کر ازبکوں کی طرف بڑھا۔

مرزاؤں کو جب خبر ہوئی کہ اکبر کا سالار منعم خان ایک لشکر لے کر ان پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے تو وہ مقابلے پر نہ آئے بلکہ مالوہ چھوڑ کر گجرات کی طرف بھاگ گئے۔

دوسری طرف اکبر اپنے لشکر کے ساتھ ازبکوں کا قلع قمع کرنے کے لئے لاہور سے روانہ ہو کر تھانیسر پہنچا اور پھر آگرہ میں داخل ہوا۔ اس وقت تک خان زمان قنوج شہر کے قریب "شیر گڑھ" کے مقام پر وہاں جو اکبر کا لشکر تھا جس کا سالار یوسف خان تھا اس کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ خان زمان کا بھائی بہادر خان مانک پور پر حملہ آور ہو کر وہاں کا محاصرہ کر چکا تھا یہ صورت حال بڑی خطرناک تھی لہٰذا اکبر نے وقت ضائع کیے بغیر بڑی تیزی سے پہلے خان زمان پر ضرب لگانے کے لئے شیر گڑھ کا رخ کیا اور 6 مئی کو اکبر شیر گڑھ کو روانہ ہوا۔ خان زمان کو جب اکبر کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً شیر گڑھ کا محاصرہ اٹھا لیا اور

اپنے بھائی بہادر خان کے پاس چلا گیا جو اس وقت مانک پور میں تھا۔

خان زمان اور بہادر خان کا ایک اور ازبک رشتہ دار سکندر خان اس وقت اودھ میں اکبر کے خلاف کارروائیاں کر رہا تھا۔ اکبر نے ایک لشکر اس پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا بہادر خان اور خان زمان بھی سکندر خان سے جا ملے تھے مغل لشکر بھی وہاں پہنچ گیا آخر اکبر کے لشکر اور باغیو کا مقابلہ کڑہ شہر سے 7 میل دور فتح پور پرساکی کے مقام پر ہوا یہاں ہولناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں ازبکوں کو شکست ہوئی خان زمان شکست کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن اس کی بدقسمتی کہ وہ ایک ہاتھی کے پاؤں تلے آ کر کچلا گیا اور مر گیا۔ اس کے بھائی بہادر خان کو گرفتار کر لیا گیا۔ خان زمان گو ہاتھی کے نیچے آ کر کچلا گیا تھا۔ لیکن اکبر کے لشکریوں نے اس کا سر کاٹ کر اکبر کے سامنے پیش کر دیا۔ دوسری طرف خان زمان کے بھائی بہادر خان کو جب اکبر کے سامنے پیش کیا گیا تو اکبر نے اس کا سر قلم کرنے کا بھی حکم دے دیا تھا۔

خان زمان اور بہادر خان کا خاتمہ کرنے کے بعد دوسرے بڑے بڑے ازبکوں کو اکبر کے سامنے پیش کیا گیا انہیں بھی اکبر نے ان کے جرائم کے مطابق سزائیں دیں۔ اس طرح ازبکوں پر اکبر کی طرف سے یہ کاری ضرب تھی اور ایک طرح سے اس نے ازبکوں کی بغاوت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا تھا۔
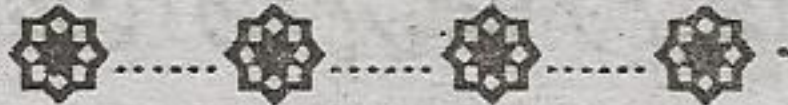
ازبکوں کا خاتمہ کرنے کے بعد 18 جولائی 1567ء کو اکبر آگرہ پہنچ گیا اب وہ چین سے نہیں بیٹھا وہ چاہتا تھا کہ جہاں جہاں بھی کہیں سرکشی اور بغاوت اٹھنے کے آثار ہیں یا جو علاقے ابھی تک اس کے خلاف سرکشی کر سکتے ہیں ان پر حملہ آور ہو کر انہیں فتح کر لیا جائے۔ سب سے پہلے اس نے راجپوتوں کے مشہور اور معروف قلعے چتوڑ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا۔

31 اگست کو آگرہ سے نکل کر وہ دھول پور پہنچا وہاں سے گوالیار کی طرف روانہ ہوا پھر وہاں سے نکل کر اکبر نے چتوڑ کا رخ کیا۔ چتوڑ کا راجہ اودھے سنگھ بڑا سرکش، بڑا متکبر اور گھمنڈی تھا۔ وہ اپنے آپ کو ہندوستان میں سارے راجپوتوں کا سردار تسلیم کرتا تھا۔

چونکہ امبر کے راجہ بہاری مل نے تو اکبر کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر کے اکبر تک اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا اور جس حد تک کوئی راجپوت اطاعت کر سکتا تھا وہ اس نے قبول کر لی تھی۔ اودھے سنگھ اس بناء پر بھی بہاری مل کے خلاف ہو گیا تھا کہ اس کا خیال تھا کہ بہاری مل نے اکبر کو اپنی لڑکی دے کر اور اس کی اطاعت قبول کر کے ایک طرح سے راجپوتوں کے نام کو بٹہ لگا دیا ہے۔ لہٰذا اودھے سنگھ اکبر اور بہاری مل دونوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔

اودھے سنگھ اپنی راجپوتی آن قائم رکھنے کا عزم کئے ہوئے تھا لیکن دوسری طرف اکبر سمجھتا تھا کہ اگر راجہ اودھے سنگھ نے اس کی اطاعت قبول نہ کی تو اکبر

کے شاہانہ وقار اور دبدبے کی توہین ہوگی۔ لہٰذا وہ راجہ اودھے سنگھ کو ہر قیمت پر اپنی اطاعت اور فرمانبرداری میں لانا چاہتا تھا۔

اکبر اپنے لشکر کے ساتھ 23 اکتوبر 1567ء کو چتوڑ پہنچ گیا۔ چتوڑ کا قلعہ ایک بلند کوہستانی سلسلہ کے اوپر شہر سے علیحدہ تھا اس قلعے کی لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل (3 1/2 میل) تھی اور یہ قلعہ درمیان میں لگ بھگ (بارہ سو) گز چوڑا تھا۔ سطح سمندر سے اس قلعے کی بلندی ایک ہزار آٹھ سو نواسی فٹ اور زمین سے یہ لگ بھگ پندرہ سو فٹ بلند تھا۔

اس قلعے پر پہلے بھی دو بار مسلمان حملہ آور ہوئے تھے اور دونوں بار اسے فتح کر لیا تھا۔ ایک بار 1303ء میں علاؤالدین خلجی نے اس پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا اور دوسری بار 1534ء میں گجرات کے حکمران بہادر شاہ نے اس قلعے پر حملہ آور ہو کر قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔ اب تیسری بار اکبر چتوڑ پر حملہ آور ہو رہا تھا۔

چتوڑ پہنچ کر اکبر اپنے لشکر کے ساتھ ایک ماہ تک وہاں قیام کیے رہا اور چتوڑ پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں میں مصروف رہا۔ ایسا کر کے اکبر واضح کرنا چاہتا تھا کہ محاصرہ خواہ کتنا ہی طول پکڑ جائے چتوڑ کو فتح کیے بغیر وہ نہیں رہے گا۔

اکبر کے اس طرح قیام کرنے سے اودھے سنگھ گھبرا گیا اور اپنا دارالحکومت چھوڑ کر قریبی راولی نام کی پہاڑیوں میں جا چھپا اور قلعے کی حفاظت اس نے اپنے دو ماتحت راجوں راجہ جے مل اور راجہ پتہ کے سپرد کر دی تھی۔

اکبر نے اپنے ایک سالار حسین قلی خان کو راجہ اودھے مل کے تعاقب میں بھجوایا لیکن راجہ اودھے مل قریبی پہاڑیوں کے اندر جا کر روپوش ہوا اور حسین قلی خان واپس آ گیا۔

اب اکبر نے پوری طاقت وقوت سے چتوڑ پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا اور چتوڑ شہر کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔ ہر روز ان گنت راجپوت اکبر کے لشکریوں کے ہاتھوں مارے جانے لگے تھے آخر 3 فروری 1568ء کو رات کے وقت اکبر اور راجپوتوں کے درمیان ہولناک رن پڑا۔ رات کے وقت راجہ جے مل اور راجہ پٹہ نے مغلوں کا پوری طاقت وقوت سے مقابلہ کیا لیکن اکبر کے لشکریوں نے بری طرح راجپوتوں کو کاٹتے ہوئے ایک طرح سے ان کا دم توڑ کر رکھ دیا تھا۔ گو، راجپوتوں کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن مغلوں نے حملہ آور ہو کر ان کے لشکر کے خاصے بڑے حصے کو موت کے گھاٹ اتار دیا باقی شکست اٹھا کر واپس قلعہ کے اندر چلے گئے۔

راجپوتوں نے جب اندازہ لگایا کہ مغلوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور اگر جنگ نے طول پکڑا تو مغل قلعے کی دیواریں توڑ کر قلعے میں داخل ہوں گے اور سارے لوگوں کا قتل عام کر دیں گے۔ لہٰذا راجپوتوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ گرم کیا اور اپنی عورتوں کے ساتھ وہ اس آگ میں جل مرے۔ اس رسم کو وہ جوہر کی رسم کہتے تھے اس لئے کہ ان کے ہاں یہ رواج تھا کہ جب راجپوت اپنی شکست سے بددل ہو جاتا تو اپنی زندگی کا خاتمہ خود کر لیتا تھا۔ اس جنگ میں راجہ جے مل کے علاوہ راجہ پٹہ سنگھ بھی مارا گیا۔ اس طرح اکبر اپنے لشکر کے ساتھ چتوڑ کے قلعے میں داخل ہوا قلعے کے اندر ابھی تک آٹھ ہزار راجپوت اور لگ بھگ چوالیس ہزار وہ کسان تھے جنہیں تربیت دے کر راجپوتوں نے لشکر میں شامل کیا تھا۔ جس وقت اکبر چتوڑ شہر میں داخل ہوا تو ایک طرح سے شہر کے اندر اس وقت بھی لگ بھگ اڑتالیس ہزار راجپوتوں کا ایک لشکر تھا جس کی بناء پر قلعے کے اندر

بھی گھمسان کا رن پڑا لیکن اکبر اور اس کے لشکریوں نے قلعے کے اندر بھی بہترین جرأت مندی اور عمدہ جنگی تجربے کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف چتوڑ کے قلعے کے اندر بھی راجپوتوں کو شکست دی بلکہ ان کا خوب قتل عام کرتے ہوئے ان کی طاقت وقوت کے گھمنڈ کو بھی توڑا اور ان کے لشکر کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر کر دی۔ چتوڑ کے لشکر کے خلاف اکبر کی یہ شاندار فتح تھی اس جنگ میں راجہ جے مل اور راجہ پٹہ کے علاوہ ان کے بیوی بچے اور لواحقین بھی مارے گئے۔

اگلے روز کا جب سورج طلوع ہوا تو چتوڑ کے قلعے میں راجپوتوں کی بجائے اکبر کی حکومت تھی۔ بچے کھچے راجپوت جو ادھر ادھر چھپتے پھر رہے تھے ان کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ گو اودھے سنگھ اور اس کا بیٹا رانا پرتاب نواحی کوہستانی سلسلوں کے اندر جا کر اپنی طاقت وقوت میں اضافہ کرنے لگے تھے۔ لیکن اس موقع پر انہیں اتنی جرأت اور جسارت نہ ہوئی کہ کوہستانی سلسلے سے نکل کر اکبر سے ٹکرائیں حالانکہ اس کوہستانی سلسلے کے اندر ان دونوں باپ بیٹے کے پاس کافی بڑا لشکر بھی موجود تھا۔

چتوڑ کے مضبوط اور مستحکم قلعے کو فتح کرنے کے بعد اکبر نے اس میں قیام کر لیا اور بڑی تیزی سے اس کا نظم ونسق درست کرنے لگا تھا۔ گو اکبر جانتا تھا کہ چتوڑ کا راجہ اودھے مل اور اس کا بیٹا رانا پرتاب نواحی کوہستانی سلسلے کے اندر چلے گئے ہیں اور اپنی طاقت وقوت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی موجودگی کو اکبر نے کوئی اہمیت نہ دی اس نے چتوڑ کے قلعے میں قیام کیے رکھا۔ چتوڑ کا نظم ونسق درست کرنے کے بعد اس نے گوالیار کی طرف روانہ ہونے کا فیصلہ کیا اور روانگی سے پہلے اس نے اودھے سنگھ کی پوری ریاست جس کا نام ریاست میواڑ تھا اس کا نظم ونسق اپنے ایک

سالار آصف خان کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد وہ واپس آگرہ کی طرف چلا گیا تھا۔

آگرہ کی طرف جاتے ہوئے اکبر کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا۔ وہ اس طرح کہ جس وقت اکبر چتوڑ سے آگرہ کا رخ کیے ہوئے تھا راستے میں ایک خونخوار شیر اکبر کے لشکر کے سامنے آ گیا شیر کو دیکھتے ہوئے اکبر بے حد خوش ہوا۔ اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ کوئی بھی شخص اس شیر کو ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرے اکبر نے خود ایک تیر چلایا جو شیر کو لگا۔ شیر زخمی ہو کر بھر گیا اس موقع پر زخمی شیر اکبر کی طرف بڑھا وہ اکبر پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا کہ اکبر کے لشکر کا ایک جوانمرد نوجوان جس کا نام عادل تھا اور جو اکبر کے قریب ہی اس وقت اپنے گھوڑے پر سوار تھا اس نے چیتے کی طرح شیر کے اوپر جست لگائی اور شیر کو اس نے اکبر کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ اتنی دیر تک اس کے کچھ ساتھی بھی آن ملے اور اس عادل نامی نوجوان نے شیر کو ہلاک کر دیا۔

چتوڑ کی فتح کے بعد راجپوتوں کا ایک بڑا قلعہ مغلوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا تھا۔ اب ان کے مزید دو بڑے قلعے اور پناہ گاہیں رہ گئی تھیں۔ ایک رنتھبور کا دوسرا کالنجر۔

اکبر نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ ہر صورت میں وہ راجپوت راجاؤں کو اپنے سامنے زیر کر کے رکھے گا اور انہیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بنائے گا۔ لہٰذا چتوڑ کی فتح کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ اس نے رنتھبور کا رخ کیا۔

رنتھبور کا حکمران ان دنوں راجہ سورجن تھا اس نے اکبر کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ اکبر نے سب سے پہلے رنتھبور کا اتنی سختی سے محاصرہ شروع کیا کہ قلعے کے باہر سے کوئی چیز وہ نہ اندر جانے دیتا نہ قلعے سے باہر آنے کی اجازت دیتا۔ محاصرہ میں شدت پیدا کرنے کے بعد اکبر نے ایک دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ رنتھبور قلعے کے قریب

ہی ایک کوہستانی سلسلہ تھا جسے مدن پہاڑ کہہ کر پکارتے تھے۔اس کوہستانی سلسلے کے اوپر اکبر نے اپنے لشکریوں کو چند توپیں نصب کرنے کا حکم دیا۔اس سے پہلے جو کوئی بھی رنتھمبور پر حملہ آور ہوا آج تک کسی نے اس پہاڑی سلسلے کے اوپر توپیں نصب کر کے اسے فتح نہ کیا تھا۔اس طرح اکبر پہلا حکمران تھا جس نے یہ حکم دیا اور اس کے حکم کا اتباع کرتے ہوئے اس کے لشکریوں نے بڑی محنت اور مشقت کے بعد توپیں اس کوہستانی سلسلے کے اوپر نصب کر دیں اور جب توپوں نے گولے داغتے ہوئے رنتھمبور کو اپنا نشانہ بنانا شروع کیا تو ایک ایک گولے سے کئی کئی مکان زمین بوس ہونے لگے یہ صورت حال راجہ سورجن کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔لہٰذا اپنی بیوی بچوں کو لے کر وہ قلعے سے نکلا اکبر سے اس نے معافی مانگتے ہوئے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی اس طرح رنتھمبور کا مضبوط اور مستحکم قلعہ بھی اکبر کے ہاتھوں فتح ہوا اور اس کے اندر جس قدر خزانے اور دوسری قیمتی اشیاء کے ذخیرے تھے سب پر اکبر نے قبضہ کر لیا تھا۔

رنتھمبور کی فتح کے بعد اکبر نے راجپوتوں کے ایک اور قلعے کالنجر کا رخ کیا کالنجر کا حکمران ان دنوں راجہ رام چندر تھا اکبر جب اپنے لشکر کے ساتھ کالنجر کی طرف بڑھا تب رام چندر نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی اس لئے کہ اسے خبر ہو چکی تھی کہ اس سے پہلے اکبر نے چتوڑ اور رنتھمبور جیسے راجپوتوں کے مضبوط قلعوں کو فتح کرنے کے بعد اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔اس بناء پر وہ خوف زدہ تھا کہ اگر اس نے بھی مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو نقصان اٹھائے گا۔

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے رام چندر نے اکبر کا فرمانبردار بن کے رہنا

قبول کیا لہٰذا جب اکبر اپنے لشکر کے ساتھ کالنجر پہنچا تو رام چندر نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر بغیر کسی حیل وحجت کے قلعہ اکبر کے حوالے کرتے ہوئے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت قبول کرلی۔ کالنجر نام کا یہ وہی قلعہ ہے جس کو فتح کرتے ہوئے شیر شاہ سوری نے اپنی جان ہاردی تھی۔ گواس نے اس قلعے کو فتح کرلیا تھا لیکن اس کے بعد یہ قلعہ پھر راجپوتوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ بہر حال کالنجر پراب اکبر کا قبضہ ہو گیا تھا۔

راجپوتوں کے بڑے بڑے قلعے جب اکبر نے فتح کرلئے تب چھوٹے چھوٹے راجپوت سرداروں نے بھی اکبر کی اطاعت اختیار کرنا شروع کردی۔ سب سے پہلے جودھپور کے راجہ مالدیو کا بیٹا چندرسین اکبر کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنی فرمانبرداری کا اظہار کیا لیکن یہ اطاعت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی چونکہ بعد میں چندرسین نے باغیانہ اقدام کرنے شروع کئے اور سوانہ کے کوہستانی سلسلوں کی طرف چلا گیا اور سرکشی اختیار کی۔ اکبر نے جودھ پور پر حملہ کیا اور اسے فتح کرکے بیکانیر کے حکمران رائے سنگھ کی تحویل میں دے دیا۔

رائے سنگھ خود بھی اپنے باپ کلیان مل کے ساتھ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں نے اکبر کی اطاعت کرتے ہوئے اسے خراج پیش کیا۔ ان کی اس کارروائی سے خوش ہوتے ہوئے اکبر نے کلیان مل اور اس کے بیٹے رائے سنگھ کو بیکانیر کی حکومت پر برقرار رکھا تاہم کلیان مل کا بیٹا اکبر کے دربار سے منسلک ہو گیا اور اسے ایک اعلیٰ مرتبہ پر مقرر کیا گیا ساتھ ہی بیکانیر کے راجہ کلیان مل نے اپنی ایک بیٹی کی شادی بھی اکبر سے کردی تھی۔

اکبر کی بہت سی بیویاں تھیں لیکن ابھی تک وہ اولاد سے محروم تھا۔ اس کے

جڑواں لڑکے پیدا ہوئے لیکن جلد ہی فوت ہو گئے لہٰذا وہ اولاد کی آرزو کرنے لگا تھا۔ سب سے پہلے اس کی بیوی جودھابائی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا یہ جودھابائی امبر کے راجہ بہاری مل کی بیٹی تھی اسی لڑکے کا نام سلیم رکھا گیا اور یہی شہزادہ سلیم بعد میں جہانگیر کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ بنا۔

سلیم کی پیدائش کے بعد ایک دوسری بیوی سے نومبر کے مہینے میں اکبر کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام خانم سلطان رکھا گیا۔ تاریخ کے اوراق میں یہ زیادہ تر شہزادی خانم کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اکبر کی بیوی سلیمہ بیگم کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام مراد رکھا گیا۔ اس کے بعد اکبر کا تیسرا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام دانیال رکھا گیا تھا۔ دانیال کے بعد اکبر کے ہاں دو بچیاں پیدا ہوئیں ایک کا نام شکور النساء بیگم اور دوسری کا نام آرام بانو بیگم رکھا گیا تھا۔ شکور النساء بیگم کی شادی ایک شخص شارخ مرزا کے ساتھ کردی گئی تھی۔

راجپوتوں کو زیر کرنے کے بعد اکبر ''ناگور'' شہر پہنچا وہاں اس نے پانی کے تین ذخیروں کی صفائی کروائی۔ قلعے کی مرمت بھی کروائی اس کے علاوہ وہاں اس نے ایک بہت بڑا فوارہ تعمیر کروایا جو اب بھی موجود ہے ''ناگور'' ہی کے مقام پر اکبر نے چند روز تک قیام کیا اس کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ وہ ''اجودھن'' یعنی آج کے ''پاکپتن'' پہنچا وہاں اس نے فریدالدین گنج شکر کے مزار پر حاضری دی وہاں سے کوچ کرنے کے بعد وہ دیپال پور کے راستے لاہور روانہ ہوا۔ چند روز لاہور میں قیام کرنے کے بعد وہ اجمیر گیا وہاں سے فتح پور سیکری پہنچا اور فتح پور سیکری میں اس نے ایک عظیم الشان شہر آباد کرنے کا فیصلہ کیا۔

چونکہ اکبر کے دو بیٹے سلیم اور مراد کی پیدائش فتح پور سیکری میں ہوئی تھی وہاں ایک بزرگ شیخ سلیم بھی تھے جن سے اکثر وبیشتر اکبر اولاد کے لئے دعا کرایا کرتا تھا۔ چنانچہ اکبر اس جگہ کو خاص عظمت کا حامل سمجھتے ہوئے وہاں ایک خوبصورت شہر بسانا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے اکبر نے متعلقہ ماہرین تعمیرات کو حکم دیا کہ شاہی استعمال کے لئے پرشکوہ عمارات تعمیر کی جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ فتح پور سیکری میں اکبر کے حکم سے چودہ سال تک عمارات تعمیر کی جاتی رہیں اسی تعمیر کے دوران فتح پور سیکری کے ایک بزرگ سلیم شیخ کا انتقال ہو گیا اور اکبر نے شیخ سلیم کا خوبصورت مقبرہ بھی تعمیر کروایا۔ یہ مقبرہ آج بھی اپنے حسن ونفاست اور دل کشی کے اعتبار سے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے 1571ء میں اکبر نے یہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کروائی جو مغل فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

پہلے اس شہر کا نام فتح پور رکھا گیا تھا لیکن بعد میں اکبر نے شہر کو فتح آباد کا نام دیا تھا۔ اس شہر کی سینکڑوں عمارات اب تک دنیا بھر کے سیاحوں کے لئے کشش کا باعث ہیں یہاں کی عمارات، حمام، پانی کے ذخائر اور دیوان دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکبر 1569ء سے 1585ء تک لگ بھگ 17 سال فتح پور ہی میں قیام کئے رہا یہاں تک کہ 1582ء میں فتح پور کی جھیل کا بند ٹوٹ گیا اور پورا شہر زیر آب آ گیا۔ جس کی وجہ سے ایک بار پھر اکبر آگرہ منتقل ہو گیا۔

اب اکبر نے اپنی فتوحات کا سلسلہ تیز تر کر دیا تھا۔ اس کی خوش قسمتی کہ ان ہی دنوں اس کا بڑا بھائی مرزا حکیم کابل میں وفات پا گیا۔ اس کی وفات کے بعد کابل کو بھی اکبر نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا اور راجہ مان سنگھ کو اس نے کابل کا اپنی طرف سے حاکم مقرر کر دیا تھا۔ مان سنگھ کو کابل کا حاکم بناتے وقت اکبر نے تاکید کی تھی کہ وہ سوات اور باجوڑ کے علاقے کے باغیوں کو اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور کرے۔

سوات اور باجوڑ کا سارا علاقہ ایک فرقہ روشنائیوں کے قبضے میں تھا۔ اس فرقے کا بانی ایک شخص بایزید تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قرآنی تعلیمات کے برعکس اپنی تعلیمات کی ترویج کی اس کے مذہب کے مطابق ہر روشنائی کا قزاق اور لٹیرا ہونا ضروری تھا۔ ان دنوں اس فرقے کا قائد جلال تھا۔ مغلوں نے جب ان پر حملہ کیا تو جلال مارا گیا اس طرح اس عجیب و غریب فرقے پر قابو پا لیا گیا۔

اسی دوران اکبر نے گجرات، احمد آباد اور سورت کے علاوہ بنگال پر بھی حملہ

آور ہوکران سارے علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرتے ہوئے اپنے علاقوں میں خوب وسعت پیدا کردی تھی۔ گجرات کی فتح میں اس کے وزیر اور سالار مرزا عبدالرحیم خانخاناں نے کافی خدمات انجام دی تھیں لہٰذا اس کی کارگزاری سے خوش ہوکر اکبر نے اسے انعام واکرامات سے نوازا پہلے اس نے عبدالرحیم خان خاناں کو گجرات کا حاکم مقرر کیا لیکن بعد میں اسے واپس آگرہ بلالیا اور اپنے بیٹے مراد کو اس نے گجرات کا حاکم مقرر کردیا تھا۔

شمال مغربی سرحدوں کا مسئلہ ہر حکمران کے لئے خاصہ توجہ طلب رہا کرتا تھا۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں منگول ہندوستان پر بار بار حملہ آور ہوئے اس وقت بھی دہلی کے حکمرانوں کو ان سرحدوں کی حفاظت کے لئے زبردست اقدامات کرنا پڑے تھے۔ اکبر کے دور میں بھی ان علاقوں سے دو طرح کے خطرات اٹھے ایک خطرہ اسے ازبکوں کا تھا جن کا ہندوستان میں اکبر نے قتل عام کر کے انہیں دبا دیا تھا۔ اب اندیشہ تھا کہ ازبک اس کا انتقام لیں گے پھر دوسرا خطرہ افغان قبائل سے تھا جو شمال مغربی سرحدوں کے ساتھ ساتھ موجود تھے۔

ان قبائل میں سے سب سے پہلے یوسف زئی قبائل نے اکبر کے خلاف کارروائی کرنا چاہی۔ یوسف زئیوں پر حملہ آور ہونے کے لئے اکبر نے اپنے دو سالار زین خان اور راجہ بیربل کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا۔

یوسف زئیوں اور اکبر کے لشکر کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی اس جنگ کے دوران راجہ بیربل مارا گیا اور زین خان بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوا۔

اکبر کو بیربل کے مرنے کا بڑا دکھ ہوا۔ ساتھ ہی اسے زین خان کے شکست اٹھا کر واپس آنے کا بھی صدمہ ہوا اس نے اب راجہ ٹوڈرمل کو یوسف زئیوں کی بغاوت فرو کرنے کی غرض سے روانہ کیا اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے ایک اور قابل اعتبار سالار بھگوان داس کو کشمیر پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا۔ ٹوڈرمل اس قدر سختی اور اس قدر شدت کے ساتھ یوسف زئیوں پر حملہ آور ہوا کہ اس نے یوسف زئیوں کو ہتھیار ڈالنے اور اکبر کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ دوسری طرف بھگوان داس شدید سردی اور مشکلات کے باوجود کشمیر کے حکمران یوسف شاہ پر حملہ آور ہوا۔ بارش و برف باری اور رسد کی قلت کے باوجود کشمیر کے حکمران یوسف شاہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر جب جنگ طول پکڑنے لگی تب رسد کی کمی کے سبب کشمیر کے حکمران یوسف شاہ نے اکبر کی اطاعت قبول کر لی اور اکبر کو خراج دینے پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اس طرح سے کشمیر اور شمال مغربی سارے علاقے بھی اکبر کی سلطنت میں شامل ہو گئے تھے۔

ہندوستان کے اکثر و بیشتر سارے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد آخر اکبر کی نگاہیں سندھ اور بلوچستان پر جمیں اس لئے کہ اب تک سندھ اور بلوچستان کے علاقے اس کی سلطنت میں شامل نہ تھے چنانچہ اس نے ملتان کے اپنے حاکم صادق محمد خان کو حکم دیا کہ وہ سندھ کے حکمران مرزا جانی بیگ ترخان کو اطاعت پر مجبور کرے۔

صادق محمد خان نے بارہا کوشش کی کہ سندھ کے حاکم جانی بیگ کو بغیر جنگ کئے مطیع اور فرمانبردار بنائے لیکن اسے اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی تاہم جن دنوں اکبر نے لاہور میں قیام کیا ہوا تھا وہاں سندھ کا حکمران مرزا بیگ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطاعت کرنے کے ساتھ خراج کی پیش کش کی جسے اکبر نے قبول کر لیا۔

مگر یہ سب کچھ محض رسمی سی بات تھی دراصل اکبر اس جذباتی بنیاد پر کہ وہ سندھ میں پیدا ہوا تھا سندھ کو اپنی سلطنت کا حصہ بنانے کے لئے بے قرار تھا۔ چنانچہ اس نے 1590ء میں عبدالرحیم خان خاناں کو ملتان کا گورنر بنا کر بھیجا اسے حکم دیا کہ وہ سندھ کو ہر قیمت میں اکبر کی سلطنت میں شامل کرے۔

یہ حکم ملنے کے بعد عبدالرحیم خان خاناں سندھ پر حملہ آور ہوا مرزا جانی بیگ کو شکست ہوئی۔ ٹھٹھہ اور سیہون کے علاقوں پر عبدالرحیم خان خاناں نے قبضہ کرلیا اس کے بعد جب مرزا جانی بیگ نے اندازہ لگایا کہ وہ مغلوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور مغل بہت جلد سندھ پر حملہ آور ہوکر خود ہی قبضہ کرلیں گے۔ اس نے بہتری اسی میں سمجھی کہ وہ مغلوں کی اطاعت قبول کرلے لہٰذا 1593ء میں بہ نفس نفیس اکبر کے دربار میں حاضر ہوا اس طرح اکبر نے سندھ پر قبضہ کرلیا مرزا جانی بیگ کو اس نے اپنے ہاں ایک اعلیٰ منصب دے دیا پھر مرزا جانی بیگ کی اطاعت اور اس کی خدمات سے خوش ہوکر اکبر نے اپنی طرف سے مرزا جانی بیگ کو سندھ کا حاکم مقرر کردیا تھا۔

اکبر نے گو راجپوتوں کا مشہور و معروف قلعہ چتوڑ فتح کرلیا تھا جبکہ چتوڑ کا راجہ اودھے سنگھ نواحی کوہستانی سلسلوں کی طرف بھاگ گیا تھا۔

اودھے سنگھ 1572ء میں انتقال کرگیا تو اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے رانا پرتاب سنگھ نے پر پرزے نکالنے شروع کردیئے اور میواڑ کے بہت سے علاقے پر قابض ہوکر اس نے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنا شروع کردیا اس طرح رانا پرتاب ایک بار پھر راجپوتوں کی آزادی اور خودمختاری کے خواب دیکھنے لگا تھا۔

وہ لوگوں کے سامنے اکثر رانا سانگا اور رانا کمبوہ کی بہادری اور شجاعت کے

قصے بیان کرتا تھا اور یہ امید رکھتا تھا کہ اب اگر مغلوں نے اس سے ٹکرانے کی کوشش کی تو وہ فتح مند ہوگا۔

رانا پرتاب سنگھ ان تمام راجپوتوں سے بھی ناراض تھا جو اکبر کی اطاعت قبول کر چکے تھے اور اس کے درباری بن کر زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک موقع پر اسی رانا پرتاب سنگھ نے راجہ مان سنگھ کے ساتھ بھی اس بناء پر توہین آمیز سلوک کیا اور اس کے ساتھ کھانا کھانے سے اس لئے انکار کر دیا کہ اس نے نہ صرف مسلمان بادشاہ اکبر کی اطاعت قبول کی بلکہ وہ مسلمانوں میں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔

مان سنگھ سے پرتاب سنگھ اس لئے بھی ناراض تھا کہ اس نے اپنی بہن اکبر سے بیاہ دی تھی۔ ایک موقع پر جب راجہ مان سنگھ رانا پرتاب سے ملا تو رانا پرتاب نے یہ ساری باتیں مان سنگھ سے کہیں۔ مان سنگھ کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی نہیں کھایا اور رانا پرتاب سنگھ کو یہ دھمکی دے کر چلا گیا کہ اگر میں نے تمہارا غرور پاش پاش نہ کیا تو میرا نام بھی مان سنگھ نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ راجہ مان سنگھ کے جانے کے بعد رانا پرتاب سنگھ نے گنگا کے پانی سے وہ تمام جگہ دھو کر "پوتر" کرائی جہاں راجہ مان سنگھ کے لئے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں راجپوت امراء نے جو موقع پر موجود تھے اشنان کے بعد اپنا لباس بھی بدلا کیونکہ ملیچھوں میں رہنے والے شخص کے ساتھ کھڑے ہونے کے باعث وہ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ "بھرشٹ" ہو گئے ہیں۔

رانا پرتاب سنگھ نے راجہ مان سنگھ سے اہانت آمیز سلوک تو کر لیا لیکن اس کے چلے جانے کے بعد وہ خاصہ متفکر ہوا لہذا اس نے زور و شور سے جنگی تیاریاں کرنا

شروع کردیں اپنے لشکریوں کو اسلحہ سے لیس کرنے لگا اور لشکریوں کی بہت تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اکبر کے خلاف گوریلا جنگ کرنے کا پروگرام بنانے لگا۔

راجہ مان سنگھ سے اس اہانت آمیز سلوک کی اطلاع جب اکبر کو ہوئی تو اس نے رانا پرتاب سنگھ کو سبق سکھانے کا تہیہ کرلیا۔ اس نے ایک لشکر راجہ مان سنگھ اور اپنے سالار آصف خان کے حوالے کیا اور رانا پرتاب سنگھ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔

رانا پرتاب اپنے باپ کی طرح کوہستانی سلسلوں کے اندر زندگی بسر کر رہا تھا اور وہیں اس نے راجپوتوں کا ایک لشکر تیار کر رکھا تھا جب وہ مان سنگھ اور آصف خان سے ٹکرایا تو اسے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ رانا پرتاب شکست اٹھا کر بھاگا اس موقع پر راجہ مان سنگھ سے یہ غلطی ہوئی کہ نہ اس نے رانا پرتاب کا تعاقب کیا اور نہ ہی اس کے پڑاؤ کی کسی چیز پر قبضہ کر کے اپنے لشکریوں کو مال غنیمت سے نوازا۔

راجہ مان سنگھ کے اس سلوک سے اکبر برہم ہوا اکبر کا خیال تھا کہ راجہ مان سنگھ نے غالباً راجپوت ہونے کے ناطے یہ اقدام کیا تھا۔ اس بناء پر اکبر کے لشکر کو رانا پرتاب سنگھ کے علاقے سے مال غنیمت حاصل کرنے کی اجازت بھی نہ دی اور یہ بات اکبر کے لشکریوں کے لئے بھی تکلیف دہ تھی بہر حال راجہ مان سنگھ کی اس غلطی کی وجہ سے اکبر نے کچھ عرصے کے لئے اسے اپنے دربار سے خارج کر دیا تھا۔
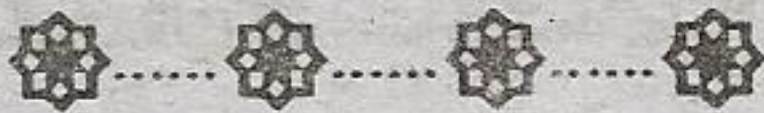
اس دوران اکبر سے مذہب کے معاملے میں بھی کچھ غلطیاں ہوئیں اس نے اسلامی اقدار سے کسی قدر انحراف کرتے ہوئے مختلف مذاہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی اس طرح وہ تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا اور کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکا۔

مختلف مذاہب کے علماء اس کے دربار میں آنا شروع ہوئے مذہبی موضوعات پر شب و روز مباحثہ شروع ہو گیا۔ اس وقت تک اکبر اسلام پر سختی سے کاربند تھا جب اس پر بے یقینی کی کیفیت طاری ہونے لگی تو دین کے معاملے میں وہ متزلزل حیثیت اختیار کر گیا۔

بلاشبہ اکبر ایک دور اندیش، فہم و فراست رکھنے والا حکمران تھا لیکن اس کے باوجود وہ ایک ان پڑھ حکمران تھا تخت نشین ہوتے ہی اکبر نے محسوس کیا کہ اگر حکومت کا استحکام درکار ہے تو آئے دن کی ہندو بالخصوص راجپوتوں کی سرکشی کو

کسی نہ کسی طرح ختم کرنا ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اکبر سے پہلے بھی مسلمان حکمرانوں نے ہندوؤں سے ممکن حد تک رواداری کا سلوک کرنے کی کوشش کی لیکن انتہائی تعصب کے باعث ہندو مسلمانوں پر اعتماد نہ کرسکے۔ اس بناء پر مسلمان بھی ہندو پر اعتبار سے محروم رہے۔

بہرحال ہندوؤں اور مسلمانوں کو قریب تر لانے کے لئے اکبر نے جو انتہائی اقدام کیئے وہ اسے بدنامی کے سوا کچھ نہ دے سکے۔ اکبر ایک نیا مذہب ایجاد کرنا چاہتا تھا۔ جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے بین بین ہو۔ لیکن ایسا کرنے سے قبل اس نے یہ نہ سوچا کہ ہندو اور مسلم دو مختلف اقوام ہیں۔ انتہائی مذہبی تفریق کی حامل ہیں ان کے مذاہب بود و باش، معاشرت و خوراک حتیٰ کہ لباس تک میں اتنا نمایاں فرق تھا کہ انہیں کسی ایک نقطہ پر یکجا کرنا ممکن نہیں تھا لہٰذا ایسی دو اقوام سے یہ توقع کرنا کہ وہ کسی تیسرے بین بین قسم کے مذہب کو نہ صرف اختیار کرلیں گے بلکہ ایک دوسرے میں جذب ہونے کی حد تک قریب آجائیں گے۔ بالکل ایک خام خیالی تھی۔

گو ابتدائی دور کا اکبر ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا مگر اس نے ہندوؤں کو راضی رکھنے کے لئے اسلام میں تبدیلی شروع کردی حالانکہ بحیثیت مسلمان اس پر صرف اتنا فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ غیر مسلموں سے مکمل رواداری سے پیش آتا اور ان کے حقوق و جان و مال کو تحفظ دیتا۔ اگر اس کے باوجود غیر مسلم اس کے خلاف شورش کرتے تو اسے ان کی سرکوبی کا اتنا ہی حق پہنچتا تھا جتنا خود وہ اپنی زندگی میں مسلمان باغیوں کی صورت میں استعمال کرتا رہا تھا۔

بعض مسلمان مؤرخ بھی اس سلسلے میں ہندو مؤرخین کی تحریک سے متاثر ہوکر یہ کہنے لگے کہ مسلمانوں کے رویے نے اکبر کو اتنا پریشان کردیا کہ وہ ہندوؤں کو اپنا بنانے کے سوا بھلائی کہیں نہ پاتا تھا۔

سوال صرف اتنا ہے کہ کیا اسلام میں تحریف ایک نئے مذہب کی ایجاد ہی سے ہندوؤں کو اپنایا جاسکتا تھا اور پھر مسلمانوں کے جن اقدام کی وجہ سے اس نے مذہب میں تحریف کر کے ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کی کوشش کی تو کیا اس وجہ سے مسلمان اس کے لئے مزید پریشانی کا سبب نہ بن سکتے تھے اور کیا خود اکبر ہندوؤں پر لاتعداد مہربانیوں کے باوجود اس نتیجہ پر نہ پہنچا کہ وہ وفادار ترین ہندو ملازم پر بھی اعتبار نہ کرسکتا تھا۔

اس لئے کہ راجہ مان سنگھ اکبر کا وفادار ترین منصب دار خیال کیا جاتا تھا لیکن مان سنگھ نے بھی راجہ پرتاب سنگھ کو بھاگ نکلنے کا موقع فراہم کیا۔ بہت سے مؤرخین سوال کرتے ہیں کہ ایسے ہی لوگوں کو مٹھی میں کرنے کے لئے اسلام میں اکبر کو تبدیلی کی ضرورت پیش آئی۔ کیا اکبر ایک راسخ العقیدہ مسلمان رہتے ہوئے اسلامی عقائد کے تحت غیر مسلموں سے وہ سلوک نہیں کرسکتا تھا جو اس سے قبل شیر شاہ سوری نے کیا تھا۔ اکبر اور شیر شاہ سوری کے رویوں کا موازنہ کرتے ہوئے مشہور انگریز مؤرخ ڈاکٹر کروک کا کہنا ہے شیر شاہ سوری برصغیر کا وہ اول حکمران تھا۔ جس نے سلطنت کی بنیاد رعایا کے جذبات وخواہشات کے احترام پر رکھی۔

اس کے علاوہ مشہور مؤرخ ڈاکٹر قانون گو بھی کہتا ہے۔ ''شیر شاہ سوری نے

ہندوؤں کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کیا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر آشوری پرشاد نے بھی شیر شاہ سوری کی تعریف کرتے ہوئے شیر شاہ کا یہ قول رقم کیا ہے وہ لکھتا ہے۔"

"بادشاہ پر فرض ہوتا ہے وہ اپنی رعایا کے ہر طبقہ سے مساوات کے اصولوں کی بنیاد پر سلوک کرے اور ظلم واستحصال کی پالیسی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔" اگر شیر شاہ سوری اپنے رویے سے مسلمانوں اور ہندوؤں کو مطمئن رکھ سکتا تھا تو اکبر ایسا کیوں نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مذہب کے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کیوں کی؟

جہاں تک شیر شاہ سوری کا تعلق ہے تو وہ ایک سچا اور عبادت گزار مسلمان تھا اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں پر امتیازات کے بغیر صرف وہ کیا جو انصاف کا تقاضہ تھا اسی لئے اس کی زندگی پر کسی مذہب کی ایجاد و کسی مذہب میں تحریف و کسی طبقہ سے امتیازی سلوک وغیر منصفانہ برتاؤ کے داغ موجود نہیں ہیں۔

شیر شاہ سوری کے اسی بہترین رویہ کی وجہ سے سب سے متعصب غیر مسلمان مؤرخ نے بھی یہ نہیں لکھا کہ اس نے کبھی مسلمان ہونے کے باوجود غیر مسلمانوں سے غیر منصفانہ برتاؤ کیا ہو۔

اکبر نے جو نیا مذہب ایجاد کرنے کی کوشش کی اور اسے لوگوں کے اندر رائج کرنا چاہا تو اس سے متعلق بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اس کی بچپن کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف مغرور بلکہ کھلنڈرا اور مزاج میں پختگی نہ رکھنے والا شہزادہ تھا وہ حصول تعلیم وفن حرب وغیرہ میں ہمیشہ عدم دلچسپی کا اظہار کرتا رہا۔ کبوتر بازی، ہاتھیوں کی لڑائی اور شکار اس کے پسندیدہ

مشاغل تھے۔ اس اعتبار سے اکبر کو نہ صرف مذہب سے وابستگی کا موقع ملا بلکہ تعلیم سے بے گانگی اور سیمابی طبیعت نے اسے تحقیق اور تجسس سے بھی دور رکھا۔

اسی بناء پر اس نے ایک نیا دین ایجاد کیا اور اس کا نام "دین الٰہی" رکھا۔ مؤرخین یہ سوال کرتے ہیں وہ کون سی سچائی تھی جس کی تلاش میں اکبر ایک نئے مذہب کے پیچھے پڑ گیا اور نیا مذہب جس کا نام اس نے "دین الٰہی" رکھا وہ جاری کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اکبر کو کسی سچائی کی تلاش نہ تھی اور نہ کسی اور بات سے غرض۔ اس کی بنیادی ناخواندگی نے اس پر دو اثرات مرتب کیئے تھے۔

اول یہ کہ ان پڑھ ہونے کی وجہ سے وہ مذاہب کی بحث میں الجھ کر رہ گیا اور کسی ایک بھی حقیقت کو نہ پا سکا۔ دوئم یہ کہ خون کے اعتبار سے چونکہ وہ شاہی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور خود بادشاہ تھا لٰہذا ناخواندگی کے باعث اس کی احساس کمتری کا تقاضہ یہی تھا کہ نہ صرف وہ خود کو لائق حکمران سمجھے بلکہ مذہبی امور میں بھی پیشوا کا درجہ حاصل کرے۔ اس قیادت کے حصول کی کوشش میں وہ اتنا آگے نکل گیا کہ اس کی اپنی شخصیت تضادات کا مجموعہ بن گئی اکبر غیر مسلموں کی خوشنودی حاصل کرتے کرتے خود ذہنی الجھاؤ میں مبتلا ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس کے چند چاپلوس درباریوں نے بھی اکبر کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ انسان سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہے۔

نیا دین ایجاد کرنے کی شہ دینے والوں میں سے سب سے آگے ابوالفضل تھا اسی کے کہنے پر اکبر نے "دین الٰہی" ایجاد کیا۔ ابوالفضل جب دربار اکبری میں داخل ہوا تو اس کی عمر صرف بائیس سال کی تھی۔ اس نے اپنے باپ

شیخ مبارک سے تعلیم حاصل کی تھی۔ شیخ مبارک وہ غیر ذمہ دار شخص تھا جو کبھی ایک مسلک کو اختیار کرتا کبھی دوسرے کو۔ ایک بار اس نے مہدی ہونے کا بھی اعلان کردیا تھا۔ کچھ لوگ اسے دہریہ بھی خیال کرتے تھے بہت سے لوگوں نے ایک بار اس سے یہ بھی سوال کیا کہ اسلام کا متبادل اس کے پاس کیا ہے؟ مگر وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ دراصل اس کے مقاصد صریحاً تخریبی اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے خلاف تھے۔

اسی شیخ مبارک کے بیٹے ابوالفضل نے بھی مذہب کے معاملے میں اکبر کو پٹڑی سے اتارا چونکہ ابوالفضل دربار اکبری کا ایک چاپلوس مورخ تھا لہٰذا قدرتی طور پر وہ اکبر کے ہر اقدام کو رنگ آمیزی اور مبالغہ کے ساتھ پیش کرتا رہا۔ اس نے یہاں تک لکھ دیا کہ!

"ایک روحانی اور ماورائی قسم کی مسرت نے شہنشاہ اکبر کے جسم کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور خدا کی دلکشی نے اپنی مقدس شعائیں اکبر پر برسانا شروع کردیں۔ اکبر اس موقع پر دنیا کے حسن سے بے نیاز ہوکر روحانی حسن کی بلندیوں پر پہنچ گیا وہ روحانی بلندیاں جو اس کے سراپا کا احاطہ کرچکی تھیں ایک صوفی اور خدا کے ایسے دوسرے متلاشی اکبر کو ہیچ نظر آنے لگے۔"

اکبر کو بھڑکانے میں مختلف مسلکوں کے علماء کا بھی ہاتھ تھا جن کے درمیان بہت سے امور پر شدید اختلافات پائے جاتے تھے اکبر ان اختلافات کی تہہ تک جاکر صحیح نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر تھا۔ لہٰذا یہ جب مختلف خیال مگر ہم عقیدہ علماء ایک دوسرے سے تکرار پر اتر آتے تو اکبر مزید الجھ جاتا وہ اپنی ناخواندگی کو تو نظر انداز

کردیتا البتہ علماء کے دلائل کو ہدف بنالیتا اکبر کے اس ذہنی الجھاؤ میں مسلمانوں کے مسلکی اختلافات نے جلتی پر تیل کا کام انجام دیا۔

دوسری طرف اکبر خود بھی یہی خیال کرنے لگا کہ اس نے قربت خداوندی اور جذب کی کیفیت کو اپنے اوپر طاری کرلیا ہے۔ جسے اس کے درباریوں نے نہایت سنجیدگی سے اس کی ولایت قرار دے دیا اکبر خود کو روحانی پیشوا سمجھنے لگا وہ ہندو اور مسلمان درباریوں کو ہر قدم پر روحانی مشورے بھی دینے لگا۔

ہر وقت روحانی امور پر باتیں کرتا رہتا لیکن اس معاملے میں وہ کسی ایک مذہب سے وابستگی کی جگہ قطعی آزادی پسند کرتا۔ 30 جنوری 1578ء کو جب وہ "شادی وال" پہنچا تو اس نے اپنے درباریوں کو بتایا کہ بعض فرائض کے تقاضوں نے اسے آئندہ ہر جمعہ کو گوشت کے استعمال سے گریز کرنے کے فیصلے پر مجبور کردیا ہے۔

20 اپریل کو دریائے جہلم کے کنارے بھیرہ شہر کے قریب اس نے شکار کے پرانے طریقے یعنی جانوروں کو نرغہ میں لینے کے بعد شکار کرنے پر عمل شروع کردیا۔ چار دن تک یہ کھیل جاری رہا اس دوران لاتعداد جانور ہلاک کئے جاچکے تھے۔ لیکن اکبر جو صرف 50 دن پہلے گوشت نہ کھانے کی بات کرچکا تھا یہ بھول گیا کہ گزشتہ چار دنوں میں لاتعداد جانور ہلاک ہو گئے تھے اور ایسا بلاوجہ اور بلاضرورت کیا گیا تھا۔ پانچویں دن غالباً اکبر کو اپنے عمل کے تضاد کا احساس ہوا تو اس نے اچانک شکار بند کرنے کا حکم جاری کیا۔ اس نے سختی سے یہ ہدایت کی کہ کسی جانور کو معمولی سی خراش بھی نہ آئے۔

اسے اکبر کے فعل کا تضاد کہا جا سکتا ہے۔ یا روحانی پیشوائی حاصل کرنے میں ناکامی کے باعث اس کی ذہنی بوکھلاہٹ کہا جا سکتا ہے یا ایک روحانی شخصیت تسلیم کئے جانے کے لئے مجنونانہ دورے کی کیفیت کا رنگ دیا جا سکتا ہے۔ بہر حال ان دنوں اکبر کے قول و فعل میں قدم قدم پر تضاد پیدا ہو گیا تھا۔

نئے مذہب دین الٰہی کا اجراء کرنے کے ساتھ ساتھ اکبر نے فتح پور سیکری میں ایک عبادت خانہ کی تعمیر بھی شروع کر دی۔ دراصل یہ عبادت خانہ نہ تھا بلکہ امور مذہب پر بحث و تحقیق کے لئے ایک جگہ مخصوص کی گئی تھی اکبر نے وہاں چار قسم کے لوگوں کے اجتماع اور قیام کا اہتمام کیا تھا۔

پہلے وہ شیوخ جنہیں مخصوص روحانی قوتوں کے حصول کا دعویٰ تھا دوسرے سید جو حضور سے تعلق کے باعث لائق احترام تھے تیسرے علماء جو قوانین شریعت اور فقہ پر عبور کے مدعی تھے اور چوتھے معززین دربار جنہیں ایسے تصورات اور مذہبیات سے دلچسپی تھی۔ ابتداء میں صرف مسلمانوں ہی کو ایسی مجالس مذاکرہ کے لئے منتخب کیا گیا۔ گو اکبر کو صوفیوں کی آزاد خیالی میں خاصی دلچسپی کا احساس ہوتا تھا تاہم اس وقت تک وہ مسلمان ہی تھا لیکن بعد میں ہندو بیویوں اور اکبر کے مشیر ابوالفضل جیسے لوگوں نے اس کے ذہن کو متاثر کرنا شروع کیا تو اکبر راسخ العقیدہ مسلمان نہ رہا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکبر کی ہندو بیویوں نے بھی اپنا مکمل اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے اکبر کو خلاف مذہب اقدامات کرنے پر مجبور کر دیا جو سراسر مسلمانوں کے لئے دل آزاری کا باعث ہو سکتے تھے۔ یہ ہندو بیویاں اکبر کو جان

بوجھ کر ایسے احکامات جاری کرنے پر مجبور کرتی تھیں جن کے ذریعہ اسلام میں تحریف اور تبدیلی کا پہلو نکل سکے۔ مثلاً ان ہندو بیویوں نے جن کی اپنی عبادت کے لئے محل کے اندر مندر تعمیر کیا گیا تھا خود تو دین الٰہی قبول نہ کیا البتہ اکبر کو گوشت، لہسن اور پیاز کھانے کی ممانعت پر مجبور کر دیا۔ نیز سور کے گوشت اور شراب کو حلال قرار دلوایا انہی بیویوں کے کہنے پر اکبر نے حرم میں کتے اور سور رکھنے کا حکم جاری کروایا اور علی الصبح انہیں دیکھنا مذہبی فریضہ قرار پایا۔ اکبر کا یہ اقدام بھی اس کی ہندو بیویوں کے نزدیک اس لئے درست تھا کہ اس طرح عوام کی مسلمان اور دین دار خواتین کی دل آزاری کی جاسکتی تھی۔

اکبر نے جو دین جاری کیا اور اس کا نام اس نے دین الٰہی رکھا تھا اس میں کچھ اس طرح کے احکامات شامل کئے گئے تھے کہ ان کے تحت ہندو مت و جین مت اور پارسی رسومات و عقائد کو رواج دے کر بلاشبہ مسلمانوں کے عقائد و رسومات کی حوصلہ شکنی اور اعانت مقصود تھی اس پالیسی سے اسلام کی توہین اور تحریف کا یقیناً پہلو نکلتا تھا۔

اسلام کو دین الٰہی سے بالکل خارج کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ اکبر کے دین الٰہی میں محمد اور احمد کے الفاظ بھی استعمال نہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ ایک یہ احمقانہ فرمان بھی جاری کیا گیا کہ مسلمان السلام وعلیکم اور جواباً وعلیکم السلام کی جگہ اللہ ہو اکبر اور جواباً جل جلال ہو کے الفاظ استعمال کیا کریں۔

دین الٰہی کے مطابق بادشاہ کو زمین پر اللہ کا نائب تسلیم کیا گیا چنانچہ جب دین الٰہی کو ماننے والے اکبر کے سامنے آتے تو سجدہ ریز ہو جاتے۔ اس شرک

کی ابتداء ایک شخص شیخ تاج الدین نے کی تھی۔ اس نے اکبر کو یقین دلایا کہ اللہ کے بعد بادشاہ کو سجدہ کرنا کسی بھی صورت قابل اعتراض نہیں ہے چونکہ بادشاہ اللہ کا زمین پر سایہ ہوتا ہے لہٰذا اگر اللہ کو سجدہ جائزہ ہے تو اس کے سائے کو بھی سجدہ کرنا کیونکر شرک ہو سکتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

اپنے اس نئے دین یعنی دین الٰہی کے تحت اکبر نے عجیب وغریب احکامات جاری کیے اس نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ مغرب کی طرف پاؤں کر کے سویا کریں جبکہ مسلمان مغرب میں کعبہ کی سمت پاؤں کر کے سونا یا لیٹنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اس حکم نے مسلمانوں کو اکبر سے مزید بددل کر دیا اکبر نے جمعہ کی بجائے اتوار کو مقدس دن قرار دیا۔ اس نے ایک خوشامدی حاجی ابراہیم سے فتویٰ حاصل کرنے کے بعد حکم دیا کہ دین الٰہی کے ماننے والے اپنی داڑھیاں صاف کروا دیں ایک اور حکم کے مطابق شراب نوشی اور شراب کی خرید وفروخت کی اجازت بھی قانونی دے دی گئی۔ نیز سور اور شیر و چیتے کا گوشت حلال قرار دے دیا گیا بلکہ اکبر نے خود بھی سور و کتے پالنے شروع کر دیئے ایک اور حکم کے مطابق بدکار عورتوں کو کاروبار کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان کے لئے دلی کے قریب ایک بستی بنائی گئی۔ لوگوں کو عربی پڑھنے سے روک دیا گیا کیونکہ بقول اکبر لوگ عربی پڑھ کر شر پھیلاتے ہیں دین الٰہی کے ماننے والوں کو گوشت، لہسن اور پیاز سے بچنے کی تلقین کی۔ لہٰذا یہ لوگ قصابوں، شکاریوں اور مچھیروں سے اس لئے دور رہنے کی کوشش کرتے کہ وہ نجس تھے دعوتوں میں بھیڑ بکری بھینس اور اونٹ کے گوشت کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی گئی بادشاہ نے اپنے پیروکاروں کو یہ

بات ذہن نشین کرادی تھی کہ دین الٰہی سے وفاداری اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ بادشاہ کے لئے اپنی جان و مال اور عزت اور مذہب سب کچھ لٹا دیں اس کے علاوہ اکبر نے مردوں کو ریشمی لباس اور سونے کے استعمال کی اجازت دے دی تھی۔ اذان کی ممانعت اور روزے نہ رکھنے کا حکم بھی جاری کر دیا تھا۔

شروع شروع میں لوگ اس دین الٰہی کو اسلام ہی سمجھتے رہے اور لوگوں کو اس کو قبول کرنے کے لئے آمادہ بھی کیا جاتا رہا لیکن جوں جوں وقت گزرا دین الٰہی ایک بے بنیاد مذہب ثابت ہوا جس کا انجام آغاز ہی میں واضح ہو گیا تھا۔

ابوالفضل اور فیضی دونوں بھائی دین الٰہی کے بہت بڑے مبلغ تھے اور ان کی اپنی یہ حالت ہو گئی تھی کہ ایک موقع پر ابوالفضل نے کہا!

''میں پہلے پہلے دین الٰہی کو اسلام ہی سمجھتا رہا اور لوگوں کو اسے قبول کرنے پر آمادہ بھی کرتا رہا لیکن جوں جوں میرا علم بڑھا شرم و ندامت کے بوجھ تلے دبتا چلا گیا۔ میں خود تو مسلمان نہ رہا لیکن مجھے یہ کب زیب دیتا تھا کہ میں دوسروں کو بھی اپنے جیسا ہونے پر مجبور کروں۔''

اکبر زبردستی لوگوں کو اپنا دین اپنانے پر مجبور کرتا رہا اس کے باوجود دین الٰہی کے پیروکاروں کی تعداد چند ہزار سے آگے نہ بڑھ سکی۔

اکبر نے بزعم خود اپنے مذہب کو کامیاب بنانے اور سچائی کی تلاش کے لئے مضحکہ خیز انداز جاری رکھے۔ مثلاً 1601ء میں اس نے کچھ شیر خوار بچوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور ان بچوں کی نگرانی اور پرورش کے لئے گونگی نرسیں مقرر کیں۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ احتیاط یہ کی گئی کہ کسی بچے تک کوئی انسانی آواز نہ پہنچ پائے اس اقدام سے اکبر کا مقصد یہ تھا کہ الوحی زبان دریافت کی جائے۔ کیونکہ ان شیر خوار بچوں کو انسان کی وساطت سے کوئی آواز اور کوئی زبان نہ سنائی دے گی تو ان میں کوئی ایک بچہ بھی بولا تو وہی زبان بولے گا جو قدرتی یا الوحی اور اللہ کی زبان ہوگی اسے ہی صحیح زبان تسلیم کرلیا جائے گا۔ لیکن اکبر کی بد قسمتی کہ بڑے ہو کر ان تمام بچوں میں سے ایک بھی بولنے کے قابل نہ رہا اور سب ہی گونگے ہو گئے۔

دین الٰہی کے اجراء کے بعد قدرتی طور پر اکبر کی خواہش یہ تھی کہ اپنے اس نئے مذہب کو کامیابی اور قبول عام سے ہمکنار کرے۔ وہ یہ تو کہہ چکا تھا کہ اس دین کے نفاذ میں کوئی سختی روا نہ رکھی جائے مگر اس فرمان کا اطلاق امراء اور درباریوں پر نہ ہوتا تھا ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ خود اکبر نے متعدد درباریوں سے دین الٰہی کو قبول نہ کرنے کے باعث تکرار کی اور ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ رکھا۔ اس اعتبار سے اکبر کو دین الٰہی کو عوام تک پھیلانے میں خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

جہاں تک دین الٰہی کے اجراء اور اس کے ردعمل کا تعلق ہے تو مسلمان رعایا اکبر سے سخت بددل ہو چکی تھی کسی حد تک نفرت کرنے لگی تھی۔ تاہم ہندو بہت خوش تھے کہ اکبر اسلام کی طرف سے ہٹ کر لادینیت کی طرف جا رہا تھا۔ نیز ہندوؤں کے ساتھ اکبر کی رشتہ داری پہلے سے موجود تھی لہٰذا وہ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اکبر لادین نہیں بلکہ ہندو مت کی جھولی میں آ گرا ہے۔

ہندوستان میں اس وقت جو عیسائی تھے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اکبر کسی بھی وقت ان کا مذہب قبول کر سکتا ہے کیونکہ اکبر نے متعدد عیسائی مشنریوں کو دربار میں طلب بھی کیا تھا اور مذہبی امور میں ان سے بات بھی کی تھی لہٰذا کوئی عیسائی دین الٰہی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔

اس کے علاوہ پارسیوں میں سے ایک شخص بھی دین الٰہی کی طرف مائل نہ ہوا عوام میں دین الٰہی قبول کرنے والوں کی تعداد چند ہزار سے تجاوز نہ کر سکی امراء میں کچھ فرار ہو کر مکہ چلے گئے۔ کچھ نے دین الٰہی قبول کر لیا اور کچھ نے واضح طور پر انکار کر دیا جن لوگوں نے اکبر کے اس دین الٰہی کو قبول کیا ان میں سے چند ایک اہم اشخاص ہیں۔

پہلا ابوالفضل جو دین الٰہی کے سلسلے میں اکبر کا خلیفہ بھی مقرر ہوا۔ دوسرا فیضی اور تیسرا شیخ مبارک (ابوالفضل اور فیضی کا باپ) اس کے علاوہ جعفر بیگ (یہ شاعر اور مؤرخ تھا) قاسم خان (یہ بھی شاعر تھا) عبدالعزیز کوکا، ملا شاہ محمد (یہ شاعر تھا) صوفی احمد، صدر جہاں، میر شریف احمد، سلطان خواجہ، سندھ کا حکمران مرزا جامی، گھوسلہ بنارسی اور راجہ بیربل شامل تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہزادہ سلیم نے بھی اکبر کے دین الٰہی کو قبول کر لیا تھا مگر اس بارے میں کوئی واضح شہادت نہیں ملتی۔ سوال یہ ہے کہ اگر جہانگیر نے دین الٰہی قبول کر لیا ہوتا تو یقیناً اس کے اس اقدام سے اکبر خوش ہو گیا ہوتا مگر یہ بات ثابت ہے کہ اکبر تادم آخر جہانگیر سے ناراض رہا اور اس نے بالآخر مجبوری کے عالم میں جہانگیر کو اپنے بعد تخت کے لئے نامزد کیا تھا علاوہ ازیں جہانگیر ہی نے

ابوالفضل کو قتل بھی کرایا تھا۔ اگر جہانگیر نے دین الٰہی قبول کرلیا ہوتا تو یقیناً دین الٰہی کے خلیفہ ابوالفضل کو موت کے گھاٹ نہ اتارتا۔

اکبر کے دین الٰہی کا شدید ترین ردِعمل مسلمانوں پر ہوا کیونکہ اسلام میں کھلم کھلا مداخلت کی گئی تھی۔ مساجد کو گوداموں اور مہابت خانوں میں تبدیل کر کے قرآن اور حدیث کی تعلیم کی جگہ ریاضی، علم سیارگان، شاعری، طب اور قصہ نویسی کی تعلیم کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ مسلمان بچوں کے لئے بارہ سال کی عمر تک ختنہ کرانے کی ممانعت تھی۔ اس عمر کے بعد بھی بچے کی مرضی تھی کہ وہ ختنہ کرائے یا نہ کرائے۔

اکبر نے لوگوں کو دین الٰہی قبول کرنے پر مجبور کیا اور کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے کھلم کھلا اس دین کی مخالفت اور نفرت کا اظہار کیا ان لوگوں میں سرفہرست عبداللہ سلطان پوری کا نام آتا ہے اس نے دربار سے رشتہ توڑ دیا مسجد میں رہائش اختیار کر لی اور اکبر کے خلاف کفر کا رفتویٰ جاری کر دیا۔ اکبر نے اس عالم دین کی جرأت وجسارت پر خفگی کا اظہار کیا ان کی باتوں کو اپنی توہین جانا اور انہیں زبردستی حج پر روانہ کر دیا۔

دوسرا عالم دین جس نے اکبر کے نئے دین کی مخالفت کی وہ درباری شیخ عبدالغنی تھا جس نے دین الٰہی کے نفاذ کے فوراً بعد دربار سے اپنا تعلق ختم کیا اور مسجد میں جا بیٹھا۔ اس نے بھی اکبر پر کفر کا فتویٰ جاری کر دیا تھا۔ اکبر نے عبداللہ سلطان پوری کی طرح شیخ عبدالغنی کو بھی زبردستی حج پر روانہ کر دیا اور پھر یہ احکام جاری کئے گئے کہ وہ واپس نہ آئے۔

اکبر کے ایک اور امیر قطب الدین خان نے بھی اکبر کے اس دین الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کیا اور اسے حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اس نے اکبر کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور آخری دم تک اس کے لئے دین کی مخالفت کرتا رہا۔

ایک اور شخص شہباز خان کو اکبر نے اپنے پاس بلایا اور اسے اپنا دین الٰہی قبول کرنے کے لئے کہا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا حتیٰ کہ اس نے بھرے دربار میں یہ بھی کہہ دیا کہ وہ دین الٰہی کی مخالفت کو کار ثواب کہتا ہے اکبر اس کے اس جواب پر سخت غصہ ہوا اور اس نے شہباز خان کو دربار میں جوتیاں لگوانے کی دھمکی دے دی لیکن اس کے باوجود شہباز خان نے مخالفت جاری رکھی اور دین الٰہی کو قبول نہ کیا۔

اسی طرح ہندوؤں میں سے اکبر نے راجہ مان سنگھ کو دین الٰہی قبول کرنے پر زور دیا حالانکہ مان سنگھ کو اکبر اپنا بڑا چہیتا خیال کرتا تھا۔ لیکن جب اکبر نے اسے دین الٰہی قبول کرنے کی ترغیب دی تب جو جواب مان سنگھ نے دیا وہ قابل سماعت ہے۔ اکبر کو مخاطب کر کے مان سنگھ نے کہا۔

”اگر پیروکار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی جان تک خوشی سے قربان کر دے تو میں پہلے ہی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ چکا ہوں۔ اس سلسلے میں مزید ثبوت کی کیا ضرورت ہے لیکن اگر اس کا مطلب کچھ اور ہے یعنی سوال عقائد کا ہے تو میں ہندو ہوں اگر مجھے حکم دیں تو مسلمان ہونے کے لئے تو تیار ہوں چونکہ میرے نزدیک مذہب یہی دو ہیں ہندو اور مسلمان لیکن میں دین الٰہی کیسے قبول کر لوں کیونکہ میں تو جانتا ہی دو مذاہب کو ہوں اور تیسرے مذہب سے میں

واقفیت ہی نہیں رکھتا۔"

اس طرح مان سنگھ نے بھی دین الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے علاوہ اکبر کے ایک رضاعی بھائی خانِ اعظم نے بھی اکبر کا دین قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے علاوہ اکبر کے ایک رضاعی بھائی خان اعظم نے بھی اکبر کا دین قبول کرنے سے انکار کر دیا جب اکبر نے اس پر زیادہ زور ڈالا اسے تنگ کرنا شروع کر دیا تو وہ بے چارہ اکبر سے جان چھڑانے کی خاطر مکہ چلا گیا۔

اکبر کے اس دین الٰہی کے تابوت میں آخر کار آخری کیل حضرت مجدد الف ثانی نے ٹھونک دی۔ مجدد الف ثانی برصغیر میں مسلمہ روحانی عظمت کے حامل تھے۔ اکبر کے لشکر کا ایک ایک لشکری ان کا عقید تمند ہونے پر فخر کرتا تھا جب انہیں اکبر کے دین الٰہی کے فتنۂ عظیم کا علم ہوا تو انہوں نے اکبر کے چند عزیزوں اور قرابت داروں کو بلا کر اکبر کو یہ پیغام بھجوایا کہ وہ اللہ اور اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا باغی اور مجرم ہے اسے بتادو کے اقتدار اور شان وشوکت سب فانی ہے۔ اکبر توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اطاعت از سر نو قبول کرے ورنہ اس پر نزول عذاب الٰہی ہوگا۔

کہتے ہیں کہ اکبر نے مجدد الف ثانی کے اس پیغام کو کوئی اہمیت نہ دی اس کے دربار میں ایک عرصہ سے اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا تھا اور جان بوجھ کر ایسے طنز کئے جاتے تھے جن سے مسلمان امراء کی دل آزاری ہوتی تھی۔ لہٰذا اکبر نے مجدد الف ثانی کی توہین کی غرض سے دربار کو حد سے زیادہ سجایا اور پھر انہیں دربار میں آنے کی دعوت دی۔ مجدد الف ثانی نے اکبر کے دربار میں جانے سے انکار کر دیا

اور پھر اس موقع پر اللہ کا کرنا یوں ہوا کہ عین وقت پر اتنا شدید طوفان آیا کہ دربار کا نظام درہم برہم ہو گیا اور جس قدر دربار کی آرائش کا کام کیا گیا تھا، سب فنا ہو گیا۔

مجدد الف ثانی نے اکبر کے اس دین الٰہی کے خلاف عملی طور پر جہاد شروع کر دیا تھا۔ آپ نے برصغیر کے تمام علمائے دین اور دردمند مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اکبر کے اس فتنۂ عظیم سے بچیں انہوں نے دین الٰہی کے خلاف باقاعدہ تحریک چلائی اکبر کے انتقال اور شہزادہ سلیم یعنی جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت یہ تحریک اپنے عروج پر تھی۔

لہٰذا جہانگیر کو مجدد الف ثانی سے بہت خطرات پیدا ہو گئے اور اس نے آپ کو گوالیار کے قلعے میں نظر بند کر دیا۔

مجدد الف ثانی کی گرفتاری نے برصغیر کے مسلمانوں میں آگ لگا دی جہانگیر کو اپنا تخت و تاج ڈولتا نظر آیا۔ اس نے ان کو رہا کرنا چاہا تو آپ نے جہانگیر کو مخاطب کر کے یہ شرط پیش کی کہ پہلے دین الٰہی کو منسوخ قرار دیا جائے تب وہ قید سے باہر آئیں گے۔ ورنہ وہ رہائی قبول نہ کریں گے۔ آپ کی اس پیش کش کے جواب میں جہانگیر کو اپنے باپ کے جاری کردہ نام نہاد دین کو منسوخ کرنا پڑا اس طرح یہ دین الٰہی اکبر کی موت کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچا۔
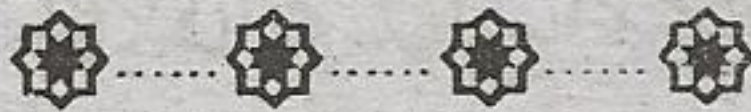
اکبر کی سلطنت اب بنگال سے لے کر کابل اور ہمالیہ کی ڈھلانوں سے لے کر خوب جنوب تک پھیلی ہوئی تھی۔ صرف دکن اس کی سلطنت میں شامل نہیں تھا۔ لہٰذا اب اس نے دکن پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا اس نے اپنے بیٹے مراد کو پہلے ہی گجرات کا حاکم مقرر کر رکھا تھا۔ لہٰذا سب سے پہلے اس نے اپنے بیٹے مراد کی طرف پیغام بھجوایا کہ وہ دکن پر حملہ آور ہو اور اپنے بیٹے کی مدد کے لئے عبدالرحیم خان خاناں کو ایک لشکر دے کر بھی دکن کی طرف روانہ کیا۔

دکن پر حملہ آور ہونے کے لئے خانخاناں اور شہزادہ مراد کے لشکر آپس میں مل گئے اور دکن کی طرف انہوں نے کوچ کیا۔

دکن کے حالات ان دنوں عجیب و غریب تھے وہاں کہنے کو تو پانچ حکومتیں تھیں لیکن ان میں دو حکومتیں بڑی اہم تھیں ایک احمد نگر اور دوسری بیجاپور احمد نگر کے بادشاہ حسین نظام شاہ کی بیٹی چاند بی بی کی شادی 14 سال کی عمر میں بیجاپور کے علی عادل شاہ سے ہوئی تھی اور ساتھ ہی علی عادل شاہ کی بہن کی شادی چاند

بی بی کے بھائی سے ہوئی اس طرح احمد نگر بیجاپور کے درمیان جو اس سے پہلے جنگوں کا سلسلہ رہتا تھا وہ ختم ہو گیا اور ان دو سلطنتوں کے آپس میں تعاون سے دکن کی پانچوں سلطنتوں میں افہام و تفہیم کے تحت اتحاد کی صورت نکل آئی تھی۔

چاند بی بی کی شادی 1564ء میں ہوئی لیکن بدقسمتی سے 1580ء میں اس کا شوہر فوت ہو گیا اس وقت اس کی عمر صرف 28 سال تھی۔ احمد نگر میں چاند بی بی کے بھائی نظام شاہ کے انتقال کے بعد احمد نگر کے تخت کے دو دعوے دار تھے ایک نظام شاہ کا لڑکا بہادر شاہ دوسرا احمد شاہ جو نظام شاہ کے ایک بھائی کا پوتا تھا۔ اس دوران تک چاند بی بی بھی بیجاپور سے اپنے میکے احمد نگر آ گئی تھی۔

اکبر پہلے ہی ان علاقوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر چکا تھا اس دوران احمد نگر کے ایک سردار میاں منجو نے بھی مغلوں کو ان علاقوں پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی تب میاں منجو اور چاند بی بی کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ میاں منجو تخت کے دعوے دار احمد کا طرف دار تھا جبکہ چاند بی بی اپنے بھائی کے بیٹے بہادر کی طرفداری کر رہی تھی۔

اکبر کا بیٹا شہزادہ مراد اور خان خاناں عبدالرحیم جب اپنا لشکر لے کر احمد نگر پہنچے اور احمد نگر کا محاصرہ کیا تو چاند بی بی نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا گو حملہ آور مغلوں کے لشکر نے احمد نگر کی فصیل کے اندر شگاف ڈال دیا تھا لیکن چاند بی بی نے ایسی شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ نقاب اوڑھ کر قلعہ کی دیوار کے شگاف کے پاس آئی اس شگاف میں بہت سے بندوقچی اور توپچی لگا دیئے اور مغلوں کو قلعے میں داخل نہ ہونے دیا۔ چاند بی بی کہتے ہیں کہ رات بھر دیوار کے پاس کھڑی رہی

قلعے کے تمام مرد عورتیں مل کر دیوار کے ٹوٹے ہوئے حصے کو تعمیر کرتے رہے۔ اس طرح دیوار انہوں نے پھر استوار کر کے شگاف بھر دیا۔

دوسری طرف شہزادہ مراد اور عبدالرحیم خان خاناں اپنے حملوں میں تیزی پیدا کرتے جا رہے تھے۔ اسی دوران یہ خبریں آئیں کہ چاند بی بی کی مدد کے لئے ہمسایہ مملکتوں سے 70 ہزار کا ایک لشکر بڑی تیزی سے احمد نگر کا رخ کئے ہوئے ہے۔ شہزادہ مراد اور عبدالرحیم خان خاناں کے لشکر میں چونکہ غلہ کی کمی کی وجہ سے متعدد مصیبتیں پیدا ہو چکی تھیں لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ چاند بی بی سے صلح ہو جائے دوسری طرف چاند بی بی بھی محاصرے کی تکالیف سے بے زار تھی۔ لہٰذا اس نے خان خاناں عبدالرحیم اور شہزادہ مراد سے صلح کر لی۔ یہ طے پایا کہ برار کا علاقہ شہزادہ مراد کے حوالے کر دیا جائے گا اور احمد نگر اور اس کے مضافات پر بہادر نظام شاہ کی حکومت رہے گی اس صلح کے بعد خان خاناں عبدالرحیم اور شہزادہ مراد برار کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے اس طرح اس صلح کے نتیجہ میں چاند بی بی نے اپنی خواہش کے مطابق بہادر نظام شاہ کو احمد نگر کا بادشاہ بنا لیا تھا۔

لیکن اسی دوران کچھ امیر چاند بی بی کے خلاف سازش کرنے لگے تھے۔ ان میں ایک شخص ابھنگ خان جسے حبشی قرار دیا جاتا ہے اس نے بڑی اہمیت اختیار کر لی۔ اس نے عادل شاہیوں اور قطب شاہیوں کی مدد سے 50 ہزار کا ایک لشکر تیار کر لیا اور مغلوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔ حالانکہ چاند بی بی نے مغلوں سے صلح کر رکھی تھی۔ اس ابھنگ خان نے اس صلح کو ختم کر کے رکھ دیا۔

خان خاناں عبدالرحیم نے ابھی تک انہی علاقوں میں قیام کیا ہوا تھا لہٰذا وہ

ابھنگ خان حبشی کے اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا۔ سونی پت کے مقام پر ہولناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں خان خاناں عبدالرحیم نے اپنے دشمنوں کو شکست دی اور بڑے بڑے سرکش باغی کچھ مارے گئے کچھ اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے۔

انہی دنوں اکبر کو ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا وہ یہ کہ اس کا بیٹا مراد جو گجرات کا حاکم تھا وہ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ مراد کی لاش کو دہلی لے جایا گیا اور اسے اپنے دادا ہمایوں کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

دکن کے ابتر حالات دیکھتے ہوئے اکبر چاہتا تھا کہ دکن کو مکمل طور پر اپنے تسلط میں کر لے اس مقصد کے لئے اس نے اپنا ایک لشکر اپنے بیٹے دانیال کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اب صورتحال یہ پیدا ہوئی کہ چاند بی بی چاہتی تھی کہ دانیال کے ساتھ صلح ہو جائے۔ جبکہ اس کے مخالف امیر مغلوں کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لہٰذا مخالف امیروں نے موقع جان کر ایک روز چاند بی بی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ان حالات کے بعد اکبر بھی ایک لشکر لے کر دکن کی طرف روانہ ہوا۔ اب دکن میں اکبر کے کافی لشکر جمع ہو گئے تھے۔ دکن پہنچ کر اس نے باغیوں کو پہلے تو سمجھایا کہ وہ مغلوں کی اطاعت قبول کر لیں جب وہ نہ سمجھے تو آگے بڑھ کر احمد نگر کا محاصرہ کر لیا گیا اور اسے فتح کر لیا گیا۔ احمد نگر کے محاصرے میں خان خاناں اور شہزادہ دانیال نے اپنی جرأت مندی کے جوہر دکھائے احمد نگر سے انہیں مال غنیمت کی صورت میں بہت کچھ ملا اور یہ سب کچھ اکبر کی خدمت میں پیش کر دیا

گیا۔ اس طرح اکبر احمد نگر کو بھی فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یوں اکبر کی حکومت اب ہمالیہ سے لے کر جنوب میں احمد نگر تک چلی گئی تھی۔

سندھ، بلوچستان، دکن، کشمیر، بنگال اور آس پاس کی ساری ریاستوں پر قبضہ کرنے کے بعد اور انہیں اپنی حکومت میں شامل کر کے اکبر کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی تھی اور وہ ایک وسیع و عریض سلطنت کا بادشاہ بن گیا تھا۔ اس طرح مغل سلطنت کی سرحدوں کا دفاع بھی کافی حد تک مضبوط اور مستحکم ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ اکبر کی سلطنت کے آس پاس اب کوئی ایسی قوت اور طاقت نہ رہی تھی جس سے اسے خطرہ محسوس ہوتا۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے اکبر نے اپنی سلطنت کو مزید وسعت دینے کا ارادہ کیا اب اس کی نگاہیں قندھار شہر پر جم گئی تھیں۔ اس لئے کہ کابل تک تو پہلے ہی اس کی حکومت تھی۔

قندھار پر حملہ کرنا اب اکبر کے لئے آسان بھی تھا۔ اس لئے کہ سندھ اور بلوچستان کے علاقے اس کے اپنے تھے اور ان علاقوں کے قبضے میں آنے کے بعد عسکری نقطۂ نظر سے اکبر کے لئے قندھار پر حملہ کرنا آسان ہو گیا تھا۔

قندھار پر قبضہ کر کے اکبر ایک طرح سے اپنی سلطنت کو بنگال سے لے کر قندھار تک وسعت دینا چاہتا تھا اور قندھار پر قبضہ کرنا اب اس کی سب سے بڑی خواہش بن گئی تھی۔

قندھار اس وقت ایرانی سلطنت میں شامل تھا لیکن قندھار پر ایرانی سلطنت کی گرفت مضبوط نہ تھی۔ علاوہ ازیں ایران کے ساتھ خوشگوار تعلقات

ہونے کے باعث اکبر یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ قندھار پر قبضہ کرنے کے باعث
ایران سے تعلقات میں کشیدگی پیدا کی جائے۔ اسی بناء پر اکبر نے نہایت
سیاست سے کام لیتے ہوئے پہلے سندھ اور بلوچستان پر قبضہ جمایا اس کے بعد
ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ اس نے قندھار پر حملہ کر دیا۔ جس وقت اکبر کے
لشکر نے قندھار پر حملہ کیا ایران کی طرف سے کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی اس
لئے کہ ایران کا بادشاہ پہلے ہی اپنی حرکتوں سے ترکوں اور ازبکوں کو اپنا دشمن بنا چکا
تھا اور ان کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا تھا اور جب اکبر کا لشکر قندھار پر حملہ آور ہوا
تو ایران کے بادشاہ نے مغلوں سے بگاڑنے کی کوشش نہ کی۔ وہ مغلوں کے
خلاف ایک نیا محاذ کھولنا نہ چاہتا تھا۔ اس طرح 1595ء میں قندھار پر اکبر کا
قبضہ ہو گیا۔ اس سے پہلے چونکہ ازبک بھی اکبر کے خلاف رہتے تھے۔ لیکن
قندھار کی فتح کے بعد وہ اکبر سے خائف رہنے لگے اور اس کے مطیع اور فرمانبردار
بن گئے۔ ایران کا بادشاہ ان دنوں عباس تھا اس نے اکبر کے خلاف کوئی
کارروائی نہ کی لہٰذا اکبر نے قندھار پر اپنا قبضہ مستحکم کرالیا۔ یوں اس کی سلطنت
بنگال سے قندھار تک پھیل گئی تھی۔

۞ ۞ ۞ ۞

اکبر نے گو بڑے وسیع علاقوں کو فتح کیا اپنی سلطنت کو عظیم الشان وسعت عطا کی۔ بڑے بڑے سرکش سورماؤں کو اپنے سامنے زیر کیا بڑی بڑی بغاوتوں کو ختم کیا لیکن ایک بغاوت ایسی اٹھی جس کے سامنے اکبر کو جھکنا پڑا اور یہ بغاوت اس کے بیٹے شہزادہ سلیم نے کی تھی جو بعد میں جہانگیر کے نام سے ہندوستان کا حکمران بنا۔

جن دنوں اکبر دکن کی طرف لشکر لے کر گیا ہوا تھا اس وقت شہزادہ سلیم نے الٰہ آباد میں قیام کیا ہوا تھا اور وہ اس وقت ہی اکبر کے خلاف ایک طرح سے اپنے باغی پن کا اعلان کر چکا تھا اکبر کے اپنے مشیر باقاعدہ دکن پیغام بھیجتے رہے اسے آگاہ کرتے رہے کہ حالات سلیم کی وجہ سے خراب ہو رہے ہیں لہٰذا وہ فوراً آگرہ پہنچ جائے۔ لیکن اکبر احمد نگر جیسے علاقوں کو فتح کیے بغیر واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔ اسے شہزادہ سلیم کی باغیانہ کارروائیوں کی مسلسل اطلاع مل رہی تھی لیکن وہ

اپنی مہم کو ادھورا چھوڑ کر نہیں آنا چاہتا تھا۔

جب اسے شہزادہ سلیم کے باغیانہ رویے کی اطلاع ملی تو اس نے شہزادہ سلیم کے ایک ہم مکتب کو اسے سمجھانے کے لئے روانہ کیا۔ اس ہم مکتب شریف کو یہ تاکید کی گئی تھی کہ وہ شہزادہ سلیم کو اپنے باپ کی طرف سے عائد کردہ فرائض کا احساس دلائے۔ لیکن سلیم نے اپنے ہم مکتب شریف کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور اسے اپنا وزیر بنا لیا۔

آخر دکن کی مہم سے فارغ ہو کر اکبر آگرہ کی طرف بڑھا اور سلیم کو یہ اطلاع ملی کہ اکبر لوٹ رہا ہے تو اس نے بھی اپنی تیاریوں میں اضافہ کر لیا اس نے بہت سے سالاروں اور امراء کو خطابات سے نوازا اور انہیں اپنا حمایتی بنا لیا۔

23 اگست 1602ء کو اکبر آگرہ پہنچا۔ اس نے فوری طور پر سلیم سے مذاکرات کا آغاز کر دیا لیکن شہزادہ سلیم کے مطالبات اتنے زیادہ تھے اور اس نوعیت کے تھے کہ انہیں قبول کرنا اکبر کے بس میں نہ تھا نوبت جب یہاں تک پہنچ گئی تب شہزادہ سلیم ایک لشکر لے کر الہ آباد سے آگرہ کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ اس کے ساتھ اس وقت کم از کم 35 ہزار گھڑ سوار تھے اور وہ جہاں جہاں سے بھی گزرا تباہی مچاتا چلا گیا۔ اس دوران اکبر نے شہزادہ سلیم کو متعدد مصالحانہ پیغامات روانہ کئے لیکن سلیم نے پہلے کوئی پرواہ نہ کی۔ بعد میں الہ آباد لوٹ گیا۔

اکبر کی یہ پالیسی گو اس کے درباریوں کے نزدیک نہایت کمزور اور بزدلانہ تھی لیکن درحقیقت اس پالیسی کی ہی کامیابی تھی کہ سلیم جو لشکر لے کر آگرہ کی طرف بڑھ رہا تھا وہ لوٹ کر الہ آباد چلا گیا۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اکبر نے فوراً ہی ایک خاص فرمان کے ذریعہ سلیم کو بنگال اور اڑیسہ کا وائسرائے مقرر کردیا۔ اسے جو اختیارات دیئے گئے تھے وہ کافی حد تک خود مختارانہ تھے لیکن اس کے باوجود سلیم نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس نے الہ آباد کو خیر باد کہنے سے بھی صاف انکار کردیا۔ ساتھ ہی اس نے الہ آباد میں اپنے نام سے جاری شدہ سکے بھی اکبر کو روانہ کر کے ایک طرح سے اکبر کی توہین کردی تھی۔

جن شکایات کی وجہ سے شہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف بغاوت کی وہ شکایات کافی حد تک درست بھی تھیں۔ شہزادہ سلیم کو سب سے بڑا شکوہ یہ تھا کہ اسے چند درباریوں کے کہنے پر نااہل اور حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ناقابل سمجھا گیا اس لئے کہ ان دنوں اکبر کے مشیر اسے مشورہ دے رہے تھے کہ سلیم کی جگہ کسی متبادل شخص کو سلطنت کی ذمہ داریاں سونپی جانی چاہئیں۔

اس کے علاوہ شہزادہ سلیم کو یہ بھی شکایت تھی کہ اسے اس کے شایان شان اور مناسب مراتب عطا نہیں کئے گئے حالانکہ وہ نہ صرف شاہی خاندان کا فرد تھا بلکہ اکبر کے بعد حکومت کی ذمہ داریاں بھی اس کو سنبھالنا تھیں۔

سلیم کو اپنے خلاف ہونے والی ساری محلاتی سازشوں کا بھی اچھی طرح علم تھا۔ بعض امراء چاہتے تھے کہ اکبر کے بعد سلیم کی جگہ ایسا شخص تخت نشین ہو جو ان کا آلہ کار بنا رہے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ تمام طاقت اور اختیارات ان کے اپنے ہاتھ میں رہیں۔ ان تمام سازشوں میں راجہ مان سنگھ پیش پیش تھا۔

دوسری طرف شہزادہ سلیم کو بھی ہر لمحہ ان سازشوں کا علم ہوتا رہتا تھا۔ لہٰذا وہ

اپنی خودمختاری اور مستقبل کو سنوارنے کے لئے کوشاں رہنے لگا۔ اسے اکبر سے یہ بھی شکایت تھی کہ اس نے کسی بھی لمحہ اپنے بیٹے کے مستقبل کے بارے میں ہمدردی سے غور نہیں کیا بلکہ اس کے قریبی امراء نے اسے جو بھی مشورہ دیا اس پر بلا تامل عمل کرتا رہا۔ ان تمام حالات سے مجبور ہو کر شہزدہ سلیم نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی ٹھان لی تھی۔

جب سلیم نے اکبر کو اپنے نام کے کندہ سکے روانہ کئے تو اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ وہ باپ کے خلاف بغاوت کرنے کے بعد ایک متوازی حکومت قائم کرنے کا عزم کر چکا ہے۔ بہرحال اکبر نے اس وقت تک مصالحانہ انداز قائم رکھا اکبر نے اپنے مشیر اور اپنے ہمنوا ابوالفضل کو بلایا جو اس وقت دکن میں مقیم تھا اور اسے سلیم کے پاس بھیجنے کا اہتمام کیا۔ ابوالفضل نے اکبر کو یقین دلایا تھا کہ وہ شہزادہ سلیم کو ہر حال میں راہِ راست پر لاتے ہوئے اس کے سامنے پیش کر دے گا۔

دوسری طرف شہزادہ سلیم راجہ مان سنگھ اور ابوالفضل کو اپنا بدترین دشمن تصور کرتا تھا گو راجہ مان سنگھ کی بہن شہزادہ سلیم کی بیوی تھی لیکن راجہ مان سنگھ اکبر کے بعد شہزادہ سلیم کی بجائے شہزادہ سلیم کے بیٹے اور اپنے بھانجے خسرو کو ہندوستان کا بادشاہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس بناء پر شہزادہ سلیم راجہ مان سنگھ کے خلاف تھا۔

سلیم کو جب علم ہوا کہ اکبر نے ابوالفضل سے مشورہ کرنے کے بعد اسے اس کی طرف روانہ کیا ہے تو اس نے ہر صورت میں ابوالفضل سے ٹکر لینے کی ٹھان لی۔ اس سلسلہ میں شہزادہ سلیم نے اپنے ایک ساتھی راجہ بھیر سنگھ کو اپنی مدد پر آمادہ کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ابوالفضل کی طرف بڑھے اور اس کا خاتمہ کر دے۔

19 اگست 1602ء کو راجہ بھیر سنگھ اور ابوالفضل کے درمیان مقابلہ ہوا برکی سرائے کے قریب دونوں آپس میں ٹکرائے اور ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے جس کے نتیجہ میں بھیر سنگھ نے ابوالفضل کا سر قلم کر کے رکھ دیا اور اس کا کٹا ہوا سر شہزادہ سلیم کے سامنے پیش کر دیا۔

ابوالفضل کے قتل کے بعد سلیم نے اس سے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا تھا۔

''ابوالفضل گو بادشاہ کا انتہائی وفادار تھا لیکن اس نے بادشاہ کے ہاتھوں اپنا ضمیر بھاری قیمت میں فروخت کر دیا تھا۔ ابوالفضل نے میرے لئے رسوائی کا سامان بہم پہنچایا اور میرے باپ کو بھی میرا دشمن بنا دیا۔ میں نے مجبور ہو کر اسے بھیر سنگھ سے قتل کروا دیا۔ اس کی موت کے بعد میرے اور والد کے تعلقات خوشگوار ہو گئے۔ علاوہ ازیں ابوالفضل حضور ﷺ کا بھی مخالف تھا لہٰذا مجھ پر ایک مسلمان کی حیثیت سے اس کا قتل لازم آتا تھا۔''

دوسری طرف جب اکبر کو ابوالفضل کے قتل کی خبر ملی تو اس نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''اگر سلیم کو تخت و تاج ہی درکار تھا تو ابوالفضل کو قتل کرنے سے کیا فائدہ؟ اسے چاہیئے تھا کہ اس کی جگہ مجھے قتل کر دیتا۔'' اکبر کو جس وقت ابوالفضل کے قتل کی اطلاع ملی تو اس وقت وہ کبوتر بازی میں مصروف تھا۔

آخر شہزادہ سلیم کو اس کے فرائض کا احساس دلانے کی خاطر اس کی سوتیلی ماں سلیمہ سلطانہ بیگم نے مداخلت کی اکبر نے اپنی اس بیوی کو الہ آباد جا کر بیٹے سے ملنے کی اجازت دے دی۔ فروری 1603ء میں سلیمہ بیگم شہزادہ سلیم سے مل

کر لوٹی تو اس نے اکبر کو بتایا کہ سلیم کے رویے میں نمایاں فرق آچکا ہے نیز وہ اکبر سے ملنے پر بھی آمادہ ہے اس طرح اپنی ماں سلیمہ سلطانہ کے سمجھانے پر شہزادہ سلیم الہ آباد سے نکل کر اکبر سے ملنے کے لئے آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔

لیکن آگرہ سے ایک پڑاؤ پہلے وہ رک گیا اور یہ درخواست کی کہ وہ آگرہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنی دادی سے ملنا چاہتا ہے لہٰذا اس کی دادی اس سے ملی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اکبر کے پاس لے گئی سلیم نے اکبر کے پاؤں پر پیشانی رکھ دی اور روتے ہوئے اپنے جرم کا اقرار کر لیا گو اکبر کو ابوالفضل کے قتل کا شدید صدمہ تھا اور ممکن تھا کہ اکبر شہزادہ سلیم کے اس جرم کو قلبی طور پر کبھی معاف نہ کر سکتا لیکن اس نے سلیم کو اٹھایا اور گلے لگا لیا۔

14 اکتوبر **1603**ء کو اکبر نے ایک لشکر سلیم کے حوالے کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ راجپوتوں کی مہم سر کرنے کے لئے نکلے سلیم اس لشکر کے ساتھ کوچ تو کر گیا۔ لیکن اس نے اکبر سے کہا راجپوتوں پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑے لشکر کے علاوہ تیاریوں کی ضرورت ہے لہٰذا اسے الہ آباد جا کر اس کا موقع فراہم کیا جائے۔ اکبر نے اسے الہ آباد جانے کی اجازت دے دی اکبر اب اس سے کسی موضوع پر مخالفت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ڈرتا تھا کہ پھر وہ اعلانیہ بغاوت کی راہ پر نہ چل نکلے۔

الہ آباد پہنچنے کے بعد سلیم عیش و عشرت میں پڑ گیا اس کے ان کاموں کی وجہ سے اکبر کو شدید صدمہ ہوا وہ پہلے ہی اپنے دوسرے بیٹے دانیال کی حرکتوں سے عاجز آچکا تھا جو دن رات شراب کے نشے میں دھت رہتا تھا۔ وہ اس وقت

دکن میں مقیم تھا اس طرح شہزادہ سلیم نے بھی شراب پینے کے ساتھ ساتھ افیون کھانی شروع کر دی تھی اور شہزادہ سلیم کی پہلی بیوی جو راجہ مان سنگھ کی بہن تھی اس نے شہزادہ سلیم کے رویے سے تنگ آ کر خودکشی کر لی تھی۔

اسی بناء پر راجہ مان سنگھ شہزادہ سلیم کے خلاف ہو چکا تھا اور اس کی بجائے وہ سلیم کے بیٹے اور اپنے بھانجے خسرو کے مفاد کے لئے کام کر رہا تھا اور اکبر کے بعد وہ اسے ہی ہندوستان کے تخت کا وارث بنانا چاہتا تھا۔

دوسری طرف اکبر کو جب اطلاع ملی کہ راجپوتوں کے خلاف حرکت میں آنے کی بجائے شہزادہ سلیم الہ آباد میں عیش وعشرت میں پڑ گیا ہے اور وہ شب و روز ناؤ ونوش میں مصروف رہتا ہے اور یہ کہ اسے دورے پڑنے لگے ہیں۔ کچھ ہوش نہیں رہتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ نشہ کی حالت میں اس نے اکبر کے ایک خبر رساں کو زندہ دفن کرا دیا کیونکہ اس نے اکبر کو سلیم کی کارروائیوں کی اطلاع دی تھی ایک ملازم کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ مر گیا اکبر کے ایک اور ملازم کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جب یہ ساری خبریں اور کارروائیاں اکبر تک پہنچیں تو اس نے سلیم کی گوشمالی کا عزم کر لیا وہ بہ نفس نفیس ایک لشکر لے کر آگرہ سے روانہ ہونا چاہتا تھا لیکن موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جس کی بناء پر اس کی روانگی میں تاخیر ہو گئی۔

جب وہ دوبارہ روانہ ہونے لگا تو 10 ستمبر کو اس کی ماں فوت ہو گئی دوسری طرف شہزادہ سلیم کو جب اپنی دادی کے مرنے کے خبر ہوئی تب وہ 16 نومبر کو بڑی برق رفتاری سے الہ آباد سے آگرہ پہنچ گیا تاکہ دادی کی وفات پر باپ سے اظہار تعزیت کر سکے۔

بعض مورخین کے مطابق سلیم اس واقعہ کو بھی خاطر میں نہ لاتا وہ صرف اس لئے آیا تھا کہ شاید اکبر کو اس موت کا شدید صدمہ ہو اور اس کی صحت پر برا اثر پڑے اور اس طرح اسے حکومت کا انتظام و انصرام سنبھالنا پڑ جائے۔ سلیم آتے ہوئے اکبر کے لئے بہت سے قیمتی تحائف بھی لے کر آیا تھا مگر اکبر اس کی حرکات سے سخت بدظن تھا لہٰذا سلیم کو گرفتار کر لیا گیا۔ اکبر نے ایک بار انتہائی غصہ کے عالم میں اس کے منہ پر تھپڑ بھی دے مارا تھا۔ اس کے بعد اسے ایسی جگہ بند کر دیا جہاں نہ صرف وہ تنہا تھا بلکہ اسے شراب بھی میسر نہ آ سکتی تھی اس طرح شہزادہ سلیم وہاں دس روز تک بند رہا اس کے بعد اسے وہاں سے نکالا گیا۔

ممکن ہے ان حالات میں اکبر اسے کسی علاقے کا حاکم مقرر نہ کرتا اور اسے شاہی مظائف سے بھی محروم کر دیتا مگر اسی دوران اکبر کو ایک اور صدمہ ہوا وہ یہ کہ اکبر کا دوسرا بیٹا دانیال دکن میں بیمار رہ کر مر گیا۔ لہٰذا اس نے سلیم کے خلاف کارروائی کا سلسلہ بھی مصلحتاً بند کر دیا۔

کچھ ہی دنوں بعد اکبر کو شدید بخار ہو گیا اور اکتوبر کے مہینے میں جب سلیم باپ کی عیادت کے لئے گیا تو اکبر کی حالت تشویش ناک تھی۔ نقاہت اور کمزوری کا یہ عالم تھا کہ ہوش میں ہونے کے باوجود کچھ بولنے سے قاصر تھا۔ جب سلیم اکبر کے پاس جا کر کھڑا ہوا تو اکبر نے اسے اشارے سے شاہی عمامہ اور جبہ پہننے کے لئے کہا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے سلیم کو اپنے باپ ہمایوں کی تلوار کمر سے باندھنے کا حکم دیا۔ سلیم نے حکم کی تعمیل کی اور اکبر کے کہنے کے مطابق کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند دن بعد یعنی 25 اور 26 اکتوبر

1605ء کی درمیانی شب کو اکبر ٹھیک 63 سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکبر نے وفات سے قبل اپنے گناہوں سے توبہ کر لی تھی اور دین الٰہی کے سلسلے میں اس نے جو غیر معمولی اقدامات کئے تھے وہ ان پر نادم تھا کہ اس نے وقت آخر دوبارہ اسلام کا دامن تھام لیا چونکہ نقاہت کی وجہ سے اس کی زبان کام نہ کرتی تھی اس کے باوجود بار بار اللہ کہنے کی کوشش کرتا رہا۔ چونکہ اکبر کے دربار کے مورخ ابوالفضل اور بدایونی دونوں ہی اکبر کی وفات سے قبل اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ لہٰذا اکبر کے از سر نو اسلام قبول کر لینے کے واقعات تحریر میں نہ لائے جا سکے۔

بہر حال اکبر 63 سال کی عمر میں فوت ہو گیا اور اس کے بعد شہزادہ سلیم جہانگیر کے نام سے تخت نشین ہوا اکبر نے اپنے بیٹے جہانگیر کے لئے وسیع عریض سلطنت چھوڑی اور اس کے لئے خزانے میں پانچ ارب سونے کے سکے سات من سونا ستر من چاندی بارہ ہزار گھوڑے چھ ہزار ہاتھی ایک ہزار ہرن اور ایک ہزار کے لگ بھگ چیتے تھے جو شکار کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ یوں اکبر کا دور ختم ہوا اور جہانگیر ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا۔